٢٠٠٩

نور الحبیب

جلد 19

کِتَابُ الصَّلٰوۃ

دعا بعد نماز جنازہ

سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ کا ایک فتویٰ

الإستفتاء

کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مسئلہ ذیل کے متعلق :

نمبرا : جب نماز جنازہ کسی میت کی پڑھی جائے' سلام پھیرنے کے بعد فوراً اس میت پر اسی جگہ کھڑے کھڑے دعا مانگنی شریعت میں جائز ہے کہ نہیں ؟-----

نمبر۲ : پھر جب میت کو دفن کرنے کے بعد چالیس قدم پر قبرستان سے باہر آ کر جو دعا مانگی جاتی ہے 'کیا یہ بھی شریعت کے مطابق جائز ہے ؟-----

(مولوی) محمد عارف امام مسجد چک ۳۲ / ۲-ایل اوکاڑہ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم
الجواب اللھم اجعل لی النور والصواب

نمبرا : شرعاً یہ دونوں صورتیں یقیناً جائز ہیں' آیات متکاثرہ واحادیث متظافرہ اور

اقوال ائمہ و علماء کرام متوافرہ سے روز روشن کی طرح نمایاں وعیاں ہے کہ دعا ایسی خصوصی عبادت و مغز عبادت ہے کہ اس کا جواز زمان و مکان و تعداد کی قیود سے آزاد ہے۔ تو لا محالہ ان دونوں صورتوں میں بھی جائز ہی رہے گی کہ کسی آیت و حدیث یا اجماع امت سے ان آیات و احادیث مشرعہ دعا و اجماع مجوز کی تخصیص ان دونوں صورتوں کے ماسوا کے لئے ہرگز ہرگز ثابت نہیں بلکہ ان کے عموم و شمول کی تائید صریح ثابت ہے کہ قرآن کریم اور احادیث شریفہ و اجماع امت سے بالخصوص کسی قید زمانی و مکانی و تعدادی کے ثابت کہ دعائے احیائے اموات مؤمنین کے لئے نافع و مفید و سنت محبوب اکرم ﷺ اور اہل ایمان کا دستور مسلم ہے حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ شرح الصدور طبع مصر صفحہ ۱۲۷ میں فرماتے ہیں:

قد نقل غیر واحد الاجماع (۱) علی ان الدعاء ینفع المیت و دلیله (۲)من القرآن قوله تعالٰی والذین جاء وا من بعدهم یقولون ربنا اغفرلنا و لاخواننا الذین سبقونا بالایمان-----

"یعنی متعدد حضرات نے اس پر اجماع نقل فرمایا کہ بے شک دعا' میت کو نفع دیتی ہے اور دلیل اس کی قرآن کریم سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے اور وہ لوگ جو

---

(۱)......فی ثمار التنکیت للنواب صدیق حسن البھوفالی صفحه۱۰۱ ان الدلیل علی انتفاعه بما فعل له الاحیاء الکتاب و السنة و الاجماع و قواعد الشرع اما الکتاب فقوله تعالٰی والذین جاء وا من بعدهم الایة (الی ان قال) و هذا اعنی انتفاع المیت بدعاء الاحیاء لا نزاع فیه-----الخ

(۲)......و قد استدل به امام المنکرین ابن القیم الجوزیة فی کتاب الروح صفحه۱۹۰ علی هذا و قال بعد ذکر الآیة فاثنی اللّٰهسبحانه علیهم باستغفارهم للمؤمنین قبلهم فدل علی انتفاعهم باستغفار الاحیاء-----۱۲

آئے ان کے پیچھے عرض کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے بخش فرما اور ہمارے ان بھائیوں کے لئے جو ہم سے پہلے ایمان لائے"-----

اور یونہی قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ تذکرۃ الموتی مجتبائی صفحہ ۳۵ میں یہ اجماع و لیل بیان فرماتے ہیں۔ حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ شرح فقہ اکبر طبع مصر صفحہ ۱۱۹-۱۱۸ میں فرماتے ہیں :

ان دعا الاحیاء للاموات نفع لهم-----

بے شک زندوں کی دعائیں اموات کے لئے سود مند ہیں-----الی ان قال :

و قد توارثه السلف و اجمع علیه الخلف-----

یعنی پہلوں اور پچھلوں سب کا اس پر اتفاق ہے-----

پھر آیات کثیرۃ واحادیث سے استدلال کے بعد فرماتے ہیں :

اتفق اهل السنة ان الاموات ینتفعون من سعی الاحیاء---

"یعنی اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ مردے زندوں کی کوشش (دعا و استغفار وغیرہ) سے نفع اٹھاتے ہیں"-----

اور یونہی عقائد نسفیہ و شرح تفتازانی طبع مجیدیہ صفحہ ۱۲۳' اور تکمیل الایمان تصنیف حضرت مولانا عبد الحق محدث دہلوی صفحہ ۷۶-۷۷ مجتبائی میں ہے۔ بلکہ ابن قیم جوزیہ کی کتاب الروح طبع حیدر آباد صفحہ ۱۸۸' اور نواب صدیق حسن خان بھوپالی کی ثمار التنکیت طبع بھوپال' صفحہ ۱۰۰ میں ہے :

مجمع علیهما بین اهل السنة من الفقهاء و اهل الحدیث و التفسیر احدهما ما تسبب الیه المیت فی حیاته و الثانی دعاء المسلمین له و استغفارهم الٰی اٰخره

"یعنی تمام گروہ اہل السنّت والجماعت فقہاء و محدثین و مفسرین اس پر متفق

ہیں کہ دعاو استغفار سے اموات نفع اٹھاتے ہیں"-----

نیز ابن قیم کی اسی کتاب صفحہ ۱۹۱ میں ہے:

و دعاء النبیﷺ للاموات فعلا و تعلیما و دعاء الصحابة و التابعین و المسلمین عصرا بعد عصر اکثر من ان یذکر و اشهر من ان ینکر-----

"یعنی حضرت نبی کریم ﷺ کی دعا مردوں کے لئے جو آپ نے خود کی اور امت کو تعلیم فرمائی اور صحابہ کرام، تابعین، تمام اہل اسلام کا زمانہ بعد زمانہ اموات کے لئے دعا کرتے رہنا، اس سے زیادہ ہے کہ اس کا ذکر کیا جا سکے اور اس سے زیادہ مشہور ہے کہ اس کا انکار کیا جا سکے"-----

یہ دونوں صاحب معترضین کے مسلم امام ہیں-----ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کشف الغمہ، طبع مصر، جلد ا، صفحہ ۱۷۴ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ناقل ہیں:

کان رسول اللہﷺ یحث علی الدعاء و الصدقة و القرب المهدات للاموات من اقاربهم و اخوانهم و یقول ان ذلک ینفعهم-----

"یعنی رسول اللہ ﷺ شوق دلایا کرتے تھے ان دعاؤں اور خیراتوں اور نیکیوں پر جو اموات کے لئے ان کے رشتہ داروں اور بھائیوں کی طرف سے بطور تحفہ بھیجی جائیں، فرمایا کرتے تھے کہ بے شک یہ سب کچھ انہیں نفع دیتا ہے"-----

و قد صرح الشعرانی بتصحیح جمیع الاحادیث المذکورة فی

کتابہ' صفحہ ۵-۹' اور استدلال بعموم و اطلاق نصوص طریقۂ ائمہ قدیم و حدیث بالاتفاق ہے وہ ذا مما لا ینکر من رای کلمتهم العالية حتی کہ معترضین کے مسلم نواب صدیق حسن خان بہادر اپنے رسالہ حل سوالات مشکلہ مطبوعہ نظامی کے صفحہ ۵ میں بعد از نماز فرض ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے ثبوت میں کہتے ہیں کہ مطلقاً ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت ہے مگر بعد از نماز کی قید نہ نفیاً ہے اور نہ اثباتاً:

پس عموم ادلہ و مطلقات آں شامل فریضہ خواہد بود تا آنکہ دلیلے بر تخصیص وے قائم شود-----

"یعنی ان دلائل جواز کا عموم و اطلاق دعا بعد نماز فرض کو بھی شامل ہو گا تا آنکہ کوئی دلیل یہ تخصیص ثابت کرے کہ بعد از نماز جائز نہیں"-----

(ہمارے ائمہ کرام بھی یونہی فرماتے ہیں کہ بلا دلیل تخصیص حکم عام سب افراد کو شامل ہوا ہے) لہٰذا بعد از نماز فرض جنازہ بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا جواز انہی کے مسلم پیشوا کے دلائل سے بھی ثابت ہو گیا اور جواز شرعی واضح و ہویدا، مگر اطمینان سائلان کے لئے اور توضیح کی جاتی ہے:

(۱) بالخصوص دعاء بعد از نماز جنازہ کی تصریح بھی بلا شبہ ثابت ہے۔ سنن ابو داؤد مجیدی' جلد ۲' صفحہ ۱۰۰' سنن بیہقی' طبع حیدر آباد' جلد ۴' صفحہ ۴۰' سنن ابن ماجہ' اصح المطابع' صفحہ ۱۰۹ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً ہے:

اذا صليتم على الميت فاخلصوا له الدعاء-----

"یعنی جب میت پر نماز پڑھ چکو تو اخلاص کے ساتھ اس کے لئے دعا کرو"-----

مرقات' جلد ۴' صفحہ ۵۹ میں ہے:

قال ابن حجر و صححه ابن حبان-----

"یعنی ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے"-----

بدائع صنائع' جلد ا' صفحہ ۳۱۱ طبع مصر میں ہے :

حضور پر نور ﷺ ایک جنازہ پر نماز پڑھا چکے تو حضرت عمر حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ ایک جماعت بھی تھی' دوبارہ جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

الصلوة على الجنازة لا تعاد و لكن ادع للميت و استغفر له-----

"یعنی جنازہ پر دوبارہ نماز نہیں پڑھی جاتی مگر اس میت کے لئے (جس پر ابھی نماز جنازہ پڑھی گئی) دعا و استغفار کر لو"-----

(و هذا نص فى الباب كما قال ملك العلماء عليه الرحمة)

نیز بدائع کے اسی صفحہ اور مبسوط سرخسی طبع مصر' جلد ۲' صفحہ ۶۷ میں ہے :

حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک جنازہ پر نماز سے رہ گئے تو اسی جنازہ پر حاضر ہو کر اس کے لئے استغفار کیا نیز ان دونوں کے انہی صفحات میں ہے کہ حضرت عبداللہ سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ سے رہ گئے تو حاضر ہو کر بولے :

ان سبقتمونى بالصلوة عليه فلا تسبقونى بالدعاء له---

"آپ لوگوں نے اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نماز میں مجھ سے پہل کر لی ہے تو ان کے لئے دعا کرنے میں تم مجھ سے پہل نہ کرو"-----

اس سے صاف صاف ثابت ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام بعد از نماز جنازہ دعا کیا کرتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ 'کتاب الجنائز' طبع ملتان' جلد ۴' صفحہ ۱۳۲ میں ہے کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں :

ثم مشی حتی اتاہ و قال اللھم عبدك و ابن عبدك نزل بک الیوم فاغفر له ذنبه و وسع علیه مدخله فانا لا نعلم منه الا خیرا و انت اعلم به-----

"یعنی بعد از نماز جنازہ چل کر میت کے نزدیک ہو کر یہ دعا فرمائی.....................الخ"----

شرح الصدور، صفحہ ۵۳ میں بحوالہ بزار حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مرفوع طویل میں ہے کہ فرشتے مومن قرآن کریم پڑھنے والے کی روح پر روحوں میں نماز جنازہ ادا کرتے ہیں:

ثم تستغفر له الی یوم البعث-----

"پھر فرشتے اس کے لئے قیامت کے دن تک استغفار کرتے رہتے ہیں"-----

اس سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا ایسی عبادت ہے جو فرشتے بھی کرتے رہتے ہیں اور یہ استغفار عموم آیات سے بھی ثابت ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

الذین یحملون العرش و من حوله یسبحون بحمد ربهم و یؤمنون به و یستغفرون للذین اٰمنوا...... الایة---(غافر، ۴۰: ۷)

"یعنی وہ فرشتے جو حاملین عرش ہیں اور وہ جو عرش کے ارد گرد ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں ساتھ اس کے اور استغفار کرتے رہتے ہیں ایمان داروں کے لئے............ آخر آیت تک"-----

نیز قرآن کریم میں ہے:

و الملئکة یسبحون بحمد ربهم و یستغفرون لمن فی الارض----(الشوریٰ، ۴۲: ۵)

"فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں"-----

میت تو میت اور محتاج ہے' میت کے احسان کرنے والے پر بھی بعد از نماز جنازہ دعا فرمانی حدیث طویل مرفوع سے ثابت ہے۔ سنن دار قطنی' صفحہ ۳۰۸' طبع دہلی / کشف الغمہ' جلد ۲' صفحہ ۱۶ / عمدۃ القاری علی البخاری' جلد ۵' صفحہ ۶-۶۶۵ / فتح الباری' جلد ۴' صفحہ ۳۶۹' مطبوعات مصر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے :

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میت کا قرض اپنے ذمہ لیا تو حضور پاک ﷺ نے اس پر نماز پڑھائی' پھر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو یہ دعا فرمائی :

جزاك الله خيرا فك الله رهانك كما فككت رهان اخيك---

اور اس دعا کے ساتھ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ جو مرنے والا اس حالت میں مرے کہ اس پر دَین (قرض وغیرہ) ہو تو وہ اپنے دَین کے بدلے گروی ہی رکھا ہوا ہوتا ہے۔ پھر ہر اس شخص کے لئے جو میت کے دَین ادا کر کے گروی سے چھڑائے' یہ دعا دی :

و من فك رهان ميت فك الله رهانه يوم القيامة---

تو آفتاب نیم روز و ماہ نیم ماہ کی طرح واضح ہوا کہ بعد از نماز جنازہ دعا جائز ہے' کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر' آخر نماز جنازہ میں بھی کھڑے ہو کر ہی دعا کیا کرتے ہیں اور کسی آیت یا حدیث بلکہ کسی امام معتمد کی تصریح کسی کتاب مستند میں قطعاً کوئی نہیں دکھا سکتا کہ بعد از نماز جنازہ کھڑے ہو کر ایسی مختصر دعائیں ناجائز ہیں' ہاں یوں کھڑے رہنا جائز نہیں کہ کھڑے ہی رہیں اور دفن میں دیر کر دیں۔ یوں کھڑے رہنا تو بلا دعا بھی منع ہے مگر یہ اور چیز ہے۔ فوری دعا جس سے دیر نہ ہو دلائل مذکورہ بالا کی رو سے یقیناً جائز ہے اور بعض لوگ جو یہ شبہ کرتے ہیں کہ جب جنازہ میں دعا ہو گئی تو دوبارہ کیوں کی جائے؟ تو ان کا یہ شبہ بھی دلائل مذکورہ بالا سے اٹھ گیا۔ نیز کثرت و تکرارِ دعاء یقیناً جائز و مستحب و مستحسن ہے :

کما اثبتناها بالدلائل المحکمة فی فتاوانا من الکتاب و السنة---

لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ دوبارہ کیوں نہ کی جائے؟ جو کہے' دلیل شرعی سے عدم جواز ثابت کرے' ہم نے تو جواز ثابت کر دیا-----

بدائع صنائع' جلد ا' صفحہ ۳۱۲ میں اسی تکرار دعاء بعد از جنازہ کے اثبات میں فرمایا:

ان التنفل بالدعاء و الاستغفار مشروع-----

"یعنی دعاء واستغفار نفلی طور پر دوبارہ شروع کرنے مشروع ہیں"-----

واللّٰہ تعالٰی اعلم-----

(سوال نمبر ۲ کا جواب آئندہ ملاحظہ فرمائیں ادارہ)

واللّٰہ تعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم

و صلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبه و اٰله و اصحابه و بارك و سلم

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللّٰہ النعیمی غفر له

جمادی الاخریٰ ۱۳۷۸ھ



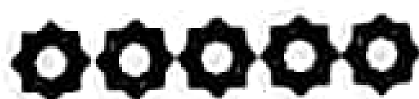
تعزیت

گذشتہ دنوں فضلائے دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف میں سے-----

مولانا محمد ثناء اللہ نوری' ٹھینگ موڑ کی ہمشیرہ-----

مولانا محمد رمضان بدر نوری' شیر کوٹ (ڈھولن) کے جڑواں بیٹے قضائے الٰہی سے وفات پا گئے-----

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مد ظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالٰی مرحومین کی مغفرت فرمائے' اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے-----آمین-----(ادارہ)



اسرار الاحکام

پانچویں قسط

نماز

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

سوال نماز ساری عبادات میں افضل کیوں ہے، اس میں تو مشقت بھی زیادہ نہیں ہے۔ حج وروزہ میں محنت زیادہ ہے، وہ ہی سب سے افضل ہونی چاہییں۔

جواب چند وجہ سے۔ایک یہ کہ نماز کی حالت میں کوئی دنیاوی کام نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ اس میں سارے اعضاء پر مکمل کنڑول ہے، دوسری عبادات میں دنیاوی کام بھی ہو سکتے ہیں۔ حج میں تجارت، روزے میں دنیاوی کاروبار ہو سکتے ہیں، لہٰذا اس میں اخلاص زیادہ ہے۔ اسی لیے ارشاد ہوا:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ---[العنکبوت:۴۵]

دوسرے یہ کہ نماز سارے ظاہری باطنی اعضاء سے ادا ہوتی ہے، روزہ صرف منہ اور پیٹ سے، لہٰذا یہ ہر عضو کی عبادت ہے۔تیسرے یہ کہ نماز سارے فرشتوں کی عبادات کا مجموعہ ہے کہ کوئی فرشتہ رکوع میں ہے، کوئی قیام میں، کوئی سجدے میں۔ چوتھے یہ کہ نماز ساری مخلوق الٰہی کی عبادات کا مجموعہ ہے کہ درخت قیام میں ہیں، چوپائے جانور رکوع میں ہیں، کیڑے مکوڑے سجدے میں، مینڈک وغیرہ قعدہ میں، لہٰذا نماز سارے فرشتوں، ساری مخلوق کی عبادات کی جامع ہے۔

پانچویں یہ کہ نماز سب پر فرض ہے۔ زکوٰۃ وحج غریب پر نہیں، روزہ مسافر پر نہیں، لہٰذا یہ عبادت عام ہے۔
چھٹے یہ کہ نماز روزانہ ادا کی جاتی ہے۔ روزہ، زکوٰۃ سال میں ایک بار اور حج عمر میں ایک بار۔
ساتویں یہ کہ نماز آدمی کی زندگی سنبھال دیتی ہے۔ نمازی کو اپنا بدن، کپڑے ہر وقت پاک رکھنا پڑتا ہے اور دن رات ہر وقت نماز کی فکر رکھنی پڑتی ہے، لہٰذا نمازی ہر وقت عبادت میں رہتا ہے۔ فکر عبادت بھی عبادت ہے۔

سوال نماز پانچ وقت کیوں فرض ہوئی، کم وبیش کیوں نہیں ہوئی؟

جواب اس لیے کہ معراج میں اولاً پچاس وقت کی نماز فرض ہوئی تھی، جن میں ۴۵ وقت کی معاف ہوگئی۔ رب کے ہاں نیکی کا بدلہ دس گنا ہوتا ہے، خود فرماتا ہے:

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ---[الانعام:۱۶۰]

لہٰذا اب نمازیں پڑھنے میں پانچ ہیں اور ثواب میں پچاس۔

سوال پانچ نمازوں کے یہی اوقات کیوں مقرر کیے گئے۔

جواب اس لیے کہ مومن کی ہر حالت رب کے ذکر سے شروع ہونی چاہیے۔ جن کی ابتدا اچھی ہو، امید ہے کہ انتہا بھی اچھی ہوگی، اسی لیے بچہ کے پیدا ہوتے ہی کان میں اذان کہتے ہیں کہ یہ زندگی کی ابتدا ہے، چونکہ چوبیس گھنٹہ میں انسان کے پانچ حال ہوتے ہیں۔ صبح کے وقت دن کی ابتدا ہے گویا نئی زندگی ملی ہے، پہلے نماز پڑھے۔ ظہر کے وقت کھانے اور آرام سے فراغت پائی، دن کے دوسرے حصے کی ابتدا ہوئی، نماز پڑھے۔ عصر کے وقت ملازمین کاروبار سے فارغ ہو کر سیر وتفریح کو چلے، تجارت کے فروغ کا وقت آیا، نماز پڑھ لے۔ (مغرب کے وقت ان کی انتہا ہے) سوتے وقت جاگنے کی انتہا ہے، نیند جو ایک طرح کی موت ہے، شروع ہو رہی ہے، نماز پڑھ کر سوئے، شاید یہ آخری نیند ہو کہ اس کے بعد قیامت ہی کو جاگے۔

سوال نمازوں کی رکعتیں مختلف کیوں ہیں، یکساں کیوں نہیں، اگر مغرب میں چار رکعت پڑھیں تو کیوں نہیں ہوتی؟

جواب لائق طبیب کے نسخہ میں دواؤں کے اوزان مختلف ہوتے ہیں۔ نمازیں بھی مختلف دوائیں ہیں۔ جس قفل میں تین دانتوں والی چابی چاہیے، وہ چار دانتوں والی چابی سے نہیں کھل سکتا۔ یہ نمازیں مختلف پیغمبروں کی یادگاریں ہیں، آدم علیہ السلام نے زمین پر آ کر رات دیکھی

تو شلیم بور شریف کے ایک رسالہ میں ہے معلوں نماز ہو میں شریف

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ

گھبرا گئے، صبح نمودار ہوئی تو دو رکعت شکرانہ ادا کیں، یہ فجر ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام نے ذبح فرزند کے عوض دنبہ پایا، فرزند کی جان بچنے اور قربانی قبول ہونے پر چار رکعت شکرانہ ادا کیں، یہ ظہر ہوئی۔ عزیر علیہ السلام نے سو برس بعد زندہ ہو کر چار رکعت شکرانہ پڑھیں، یہ عصر ہوئی۔ کیوں کہ آپ اس وقت زندہ ہوئے تھے۔ داؤد علیہ السلام نے توبہ قبول ہونے کے شکریہ میں غروب آفتاب کے بعد چار رکعت کی نیت باندھی مگر تین رکعت پر تھک گئے اور سلام پھیر دیا، یہ مغرب ہوئی۔ ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عشاء ادا کی۔ [طحاوی شریف]

سوال سفر میں قصر یعنی چار فرض کو دو کیوں پڑھتے ہیں، تین رکعت میں قصر کیوں نہیں؟

جواب اس لیے کہ سفر معراج میں دو دو رکعتیں ہی فرض ہوئی تھیں، بعض نمازوں میں بعد میں زیادتی کی گئی [حدیث] جب تم بھی سفر میں جاؤ تو سفر معراج کی یادگار قائم کرلو، اسی لیے پچھلی دو رکعتوں میں قراءت فرض نہیں اور امام ان میں آہستہ قرآن پڑھتا ہے تاکہ یاد تازہ رہے کہ یہ رکعتیں پہلے فرض ہوئیں اور یہ بعد میں۔ چونکہ تین کا آدھا صحیح نہیں بن سکتا، اس لیے اس میں قصر بھی نہیں۔

سوال امام ظہر اور عصر میں آہستہ قراءت کیوں کرتا ہے اور باقی میں زور سے کیوں؟

جواب اس لیے کہ شروع زمانہ اسلام میں کفار کا غلبہ تھا، وہ قرآن شریف سن کر رب تعالیٰ اور جبریل اور حضور ﷺ کی شان میں بکواس بکتے تھے، ان ہی دو وقتوں میں وہ آوارہ گھومتے رہتے تھے، مغرب میں کھانے میں مشغول ہوتے تھے، عشاء میں سو جاتے تھے، فجر میں جاگتے نہ تھے، اس لیے ان دو نمازوں میں آہستہ قراءت کا حکم ہوا۔ رب نے فرمایا:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا---[الکھف:۱۱۰]

نہ اتنی آہستہ آواز سے قرآن پڑھو جو آواز باہر جاوے، نہ اتنی آہستہ کہ خود بھی نہ سن سکو۔ مع بلند ہوتی

اب اگر چہ وہ حالت نہ رہی مگر حکم وہ ہی رہا تاکہ مسلمان اس مغلوبیت کو یاد کر کے اب غلبہ اسلام پر خدا کا شکر کریں۔

سوال نماز کے ارکان قیام وقعود میں کیا حکمتیں ہیں؟

جواب نماز میں چار چیزیں پڑھی جاتی ہیں اور چار کام کیے جاتے ہیں۔ قرآن، تسبیحیں، درود شریف اور دعائیں تو پڑھی جاتی ہیں اور قیام، رکوع، سجدہ، قعود کیے جاتے ہیں۔

ان چاروں کاموں میں دو حکمتیں ہیں، ایک یہ کہ انسان میں چار وصف ہیں، وہ جماد بھی ہے نامی بھی، حیوان بھی ہے انسان بھی۔ جماد کی عبادت میں بیٹھا رہتا ہے۔ حیوان کی اصل عبادت رکوع میں رہنا ہے، نبات کی بندگی سجدہ، انسان کی بندگی قیام۔ جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے، لہٰذا نماز میں ان چاروں عبادات کو جمع کر دیا گیا۔ نیز یہ چاروں وصف انسان کے لیے رب سے دوری کا باعث بنے۔ گویا انسان چار درجے نیچے اترا۔ اس کی ترقی کے لیے چار کام مقرر کیے گئے۔

دوسرے یہ کہ انسان میں آگ، پانی، ہوا، مٹی جمع ہے، آگ کی خاصیت تکبر و غرور ہے، اسی لیے وہ اوپر کو بھاگتی ہے۔ دیکھو شیطان آدم علیہ السلام کے آگے نہ جھکا۔ پانی کا کام ہے پھیلنا، خاک کی تاثیر جمود اور بے حسی ہے، ہوا کی تاثیر شہوت ہے، اسی لیے مقوی باہ دوائیاں بادانگیز ہوتی ہیں۔ گویا انسان اُن چار مفردوں کا معجون مرکب ہے اور مفردات کا اثر معجون میں ہوتا ہے، لہٰذا انسان میں یہ چاروں عیوب تھے۔ ان کے دفعیہ کے لیے یہ چار ارکان نماز میں قائم کیے گئے اور ان ارکان کو اللہ کے مختلف ذکروں سے پر کیا گیا تا کہ ان عیوب سے پاکی حاصل ہو۔ جس کا بیان اس آیت میں ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ---[العنکبوت:۴۵]

وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ ---[المائدہ:۱۲]

سوال نماز کے لیے وضو کیوں ضروری ہے؟

جواب اس لیے کہ نماز دل کو پاک کرتی ہے، چاہیے کہ پہلے جسم پاک کیا جائے کیوں کہ ظاہری پاکی (باطنی پاکی) کا باعث ہوتی ہے۔ دق کی بیماری والے کا کپڑا، مکان، بدن صاف رکھواتے ہیں تا کہ تن درستی حاصل ہو۔

سوال وضو میں چار عضو دھونا کیوں فرض ہیں۔ منہ، ہاتھ، سر کا مسح، پاؤں۔

جواب دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ وضو کے پانی سے خطائیں اور گناہ جھڑتے ہیں، آدم علیہ السلام سے پہلی جو لغزش صادر ہوئی یعنی گندم کھانا، اس میں ان ہی چار اعضاء نے کام کیا تھا۔ کہ دماغ میں کھانے کا خیال آیا، پاؤں ادھر چلے، ہاتھ سے گندم کو پکڑا، منہ شریف نے کھایا، لہٰذا حکم ہوا کہ نماز کے لیے ان ہی اعضاء پر پانی پہنچاؤ۔

دوم یہ کہ اب بھی اکثر گناہ میں ان ہی عضوؤں کا زیادہ حصہ ہوتا ہے۔ ہاتھ، پاؤں، آنکھ،

ناک، کان، دل، دماغ کا تعلق بادشاہ اور وزیر کا سا ہے کہ دل پر رنج آیا تو فوراً دماغ سے پانی آنسو کی شکل میں ٹپکا۔ اور جہاں دماغ میں برا خیال پیدا ہوا کہ دل مغموم ہو گیا۔ لہٰذا دماغ پر مسح کر دیا گیا۔ دل کی جگہ نہ دھوئی گئی کہ دماغ کے ذریعہ دل پاک ہوگا۔

سوال پیشاب، پاخانہ، ریح، قے، خون وغیرہ سے وضو کیوں ٹوٹتا ہے؟

جواب وضو گندم کھانے سے لازم ہوا اور یہ چیزیں گندم ہی سے بنتی ہیں لہٰذا حکم ہوا کہ جب جسم سے گندم کا اثر ظاہر ہو، وضو کرلو۔ نیند بھی اسی لیے وضو توڑتی ہے کہ وہاں ریح نکلنے کا احتمال ہوتا ہے۔ نبی کی نیند چونکہ غفلت نہیں پیدا کرتی، لہٰذا ان کا وضو نہیں توڑتی۔

سوال تو چاہیے کہ منی نکلنے سے بھی وضو ٹوٹے، کیوں کہ منی بھی گندم ہی سے بنتی ہے، اس سے غسل کیوں ٹوٹتا ہے؟

جواب منی کا تعلق سارے جسم سے ہے کہ ہر عضو کے خون سے بنتی ہے اور اس کے نکلتے وقت سارے جسم کو لذت آتی ہے، لہٰذا سارے جسم پر ہی اثر ہونا چاہیے۔

سوال پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کیوں کرایا جاتا ہے، اس میں کیا مصلحت ہے؟

جواب سارے عناصر یعنی آگ، پانی، مٹی، ہوا میں دلوں کی شفا اور جسم کی پاکی ہے، اسی لیے بہت سی چیزیں آگ سے پاک ہو جاتی ہیں، جیسے مٹی، تانبہ کے ناپاک برتن، نجس زمین، ہوا سے خشک ہو کر پاک ہو جاتی ہے۔ بہت صورتوں میں مٹی سے رگڑ ناپاکی بخشتا ہے اور پانی تو طہارت کا ذریعہ ہے ہی۔ اسی طرح پانی پر دم کر کے بیماروں کو پلایا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے ایک بیمار پر مٹی لعاب دہن شریف میں تر کر کے استعمال فرمائی۔ قرآن پڑھ کر دم کرتے ہیں۔ دم کی ہوا سے خدا شفا دیتا ہے۔ غرضیکہ ان عناصر میں طہارت کا اثر ہے لہٰذا طہارت حکمی یعنی وضو وغسل کے لیے پانی کو تو اصل مانا گیا ہے اور بوقت ضرورت مٹی کو نائب کیوں کہ مٹی بھی ایک عنصر ہے۔

سوال نماز کی اطلاع کے لیے اذان کیوں رکھی گئی، ہندوؤں، عیسائیوں کی طرح سنکھ یا ناقوس کیوں نہ بنایا۔

جواب اذان اطلاع نماز کا بہترین ذریعہ ہے، اس کے مثل نہ تو سنکھ ہو سکتا ہے نہ ناقوس۔ چند وجوہ سے، اولاً تو یہ کہ سنکھ میں مردہ جانور کی ہڈی کا استعمال ہوتا ہے۔ ناقوس میں لوہے،

پیتل، وغیرہ دھات کا استعمال۔ مگر اذان میں اشرف الخلوق یعنی انسان کا استعمال ہے۔ وہ بھی حلق کی آواز کا نہ کہ ہاتھ کی تالی کا، نہ سیٹی وغیرہ کا۔ کیوں کہ حلق اندرونی اور بیرونی اعضاء کے درمیان واسطہ ہے کہ باہر سے جو ہوا، پانی، غذا اندر جائے، وہ حلق کے راستہ اور جو دل کی بات باہر آئے وہ حلق کے ذریعہ۔

دوسرے یہ کہ سنکھ وغیرہ محض بے ڈھنگی آواز ہے، جس کا مطلب کچھ نہیں۔ جیسے ریل کی سیٹی کی آواز محض اطلاع ہے مگر اذان میں محض آواز نہیں بلکہ اللہ کی کبریائی حضور کی نبوت کا اعلان ہے، جو اصل ایمان اور مغز عبادت ہے۔ پھر نماز کا بلاوا ہے۔ پھر نماز کے فوائد کا ذکر جس سے دل میں نماز کا شوق پیدا ہوا۔ اگر کوئی خوش گلو اذان دے تو سن کر وجد آجاتا ہے غرضیکہ اذان میں بلاوے کے ساتھ تبلیغ بھی ہے۔

سوال نماز جماعت سے کیوں پڑھی جاتی ہے، اس میں کیا حکمت ہے، مسجد میں حاضری کیوں دی جاتی ہے؟

جواب جماعت میں دینی یا دنیوی بہت سی حکمتیں ہیں۔ دنیاوی حکمتیں تو یہ ہیں کہ جماعت کی برکت سے قوم میں تنظیم رہتی ہے کہ مسلمان اپنے ہر کام کے لیے امام کی طرح صدر اور امیر چن لیا کریں، پھر امیر کی ایسی اطاعت کریں جیسے مقتدی، امام کی۔ جماعت سے آپس کا اتفاق بڑھتا ہے۔ روزانہ پانچ بار کی ملاقات اور دعا و سلام دل کی عداوت دور کرتا ہے۔ قوم میں پابندی اوقات کی عادت پڑتی ہے کہ سب لوگ جماعت کے وقت پر دوڑتے آتے ہیں۔ جماعت سے متکبرین کا غرور ٹوٹتا ہے کہ یہاں بادشاہ کو فقیر کے ساتھ کھڑا ہونا پڑتا ہے۔

نیز مسجد ہماری کمیٹی گھر یا دار الشوریٰ ہے، جہاں جمع ہو کر مسلمان اہم مشورہ کر سکتے ہیں۔ گویا مسجد میں روزانہ محلہ کی پانچ کانفرنسیں ہوتی ہیں۔ مسجد نبوی سے ہی اسلامی فوج نکل کر جہاد وغیرہ کرتی تھی۔

دینی فائدے یہ ہیں کہ اگر جماعت میں ایک کی نماز قبول ہوگئی تو سب کی قبول ہوگئی۔ جماعت میں گویا مسلمانوں کا وفد بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ حاکم کے یہاں تنہا کے مقابل وفد کا زیادہ احترام ہوتا ہے۔ جماعت سے انسان رب کی کچہری میں وکیل یعنی امام کے ذریعہ عرض معروض کراتا ہے، بات کا وزن بڑھ جاتا ہے۔ مسجد کی طرف آنے جانے میں ہر قدم پر دس نیکیاں ملتی ہیں، جماعت سے آدمی کو دینی پیشوا، علماء، صوفیہ کا ادب سکھایا جاتا ہے۔

سوال جمعہ اور عید میں جماعت فرض کیوں ہے، پنج گانہ نمازوں میں کیوں نہیں؟

جواب پنج گانہ جماعت محلّہ بھر کی کانفرنس ہے اور جمعہ کی جماعت سارے شہر یا اکثر حصہ کی۔ پنج گانہ جماعت فرض کرنے میں مسلمانوں پر دشواری ہو جاتی ہے کہ جنگل کھیت وغیرہ سے بھاگ کر شہر آنا پڑتا، اس لیے اس جماعت کو سنت قرار دیا گیا اور چونکہ جمعہ، ہفتہ میں ایک بار اور عید سال میں دو بار آتی ہے، ان کے لیے آنا اتنا گراں نہ ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کا اجتماع بھی ہو جایا کرے اور کاروبار بھی بند نہ ہوا کریں۔

سوال اسلام میں جمعہ کو عید المومنین کیوں مانا گیا، عیسائی اتوار کی کیوں تعظیم کرتے ہیں، جمعہ میں کون سی خوبی ہے؟

جواب عیسائی اتوار کو صرف اس لیے مانتے ہیں کہ اس دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آسمان سے مائدہ یعنی دسترخوان اترا تھا۔ انہوں نے دعا کی تھی:

رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا---[المائدۃ:۱۱۴]

لہٰذا یہ دن ان کی عید کا ہوا، لیکن جمعہ مسلمانوں کی عید اس لیے بنا کہ وہ انسانی دنیا کا پہلا دن بھی ہے اور آخری بھی، کیوں کہ جمعہ کے دن ہی آدم علیہ السلام کی پیدائش، ان کا جنت میں جانا ہوا، پھر جنت سے زمین پر آنا بھی اسی دن ہوا، قیامت بھی جمعہ کے دن ہی آئے گی، نیز انبیائے کرام پر بڑے بڑے انعامات اسی دن میں ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا، یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، یعقوب علیہ السلام سے ملنا، نوح علیہ السلام کی کشتی کا پار لگنا، سب جمعہ کے دن ہوا۔ نیز ہفتہ میں سات دن ہیں، جن میں پہلا دن جمعہ ہے، لہٰذا جمعہ کو عبادت کے لیے خاص کیا گیا، تاکہ ہفتہ کی ابتدا برکت پر ہو۔[روح البیان، زیر نزول مائدہ]

سوال ہم اللہ کے بندے ہیں، صرف فرض ہی پڑھیں جو اللہ کا حکم ہے۔ سنت کیوں پڑھیں اس کی کیا ضرورت ہے؟

جواب فرض کے لیے سنت ایسی ہے جیسے کھانے کے لیے پانی کہ نہ تو کھانا بغیر پانی کے تیار ہوا اور نہ کھایا جاسکے۔ ایسے ہی خود فرض نماز میں سنت داخل ہے، جیسے ہاتھ اٹھانا، سورہ فاتحہ پڑھنا، سورہ ملانا وغیرہ اور قریباً ہر فرض نماز کے ساتھ سنتیں بھی ادا کی جاتی ہیں، جیسے بغیر پانی کھانے کی دعوت ناقص ہے، ویسے ہی بغیر سنت فرض نماز غیر مکمل ہے۔ تارک سنت شفاعت سے محروم ہے، بلکہ انسان پر فرائض تو بعد بلوغ جاری ہوتے ہیں مگر سنتیں

پیدائش سے ہی ساتھ ہوتی ہیں۔ ختنہ، عقیقہ، نام رکھنا، سب سنت ہی ہے۔ اسی طرح مرتے ہی تمام فرائض ختم ہو جاتے ہیں مگر سنتیں مرنے کے بعد بھی ساتھ نہیں چھوڑتیں۔ چناں چہ قبر، کفن، بعد دفن فاتحہ، ایصال ثواب سنت ہیں۔ بلکہ خود مرنا بھی سنت ہے، اسی لیے ہمارا نام اہل فرض نہیں، بلکہ اہل سنت و جماعت ہے۔ سنت کے منکر کو چاہیے کہ ناف سے گھٹنے تک کا جانگیہ پہنا کرے اور (بھوک سے) جان نکلتے وقت کچھ چنے چاب لیا کرے، جس سے جان بچے کہ فرض صرف اتنا ہی ہے۔ نکاح، اولاد سب سنتیں ہی تو ہیں۔

سوال بعض کھانے بغیر پانی ہی تیار ہوتے ہیں اور بغیر پانی کھائے بھی جاتے ہیں، جیسے ترمیوے؟

جواب ان میں بھی پانی کی ضرورت ہے کہ ان کے درخت پانی ہی سے پرورش پاتے ہیں۔ نیز ان میں قدرتی پانی موجود ہے، ورنہ یہ سوکھ جاویں۔

سوال نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض والے کی نماز کیوں نہیں ہوتی اور فرض والے کے پیچھے نفل والے کی نماز کیوں ہو جاتی ہے؟

جواب اس لیے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ضمن میں ایسی ہوتی ہے جیسے لفافے میں پرچہ۔ حدیث میں ہے کہ امام ضامن۔ اور ظاہر ہے کہ ضمن میں لینے والا یا تو قوی ہو یا برابر۔ کاغذ کا لفافہ لوہے کے پترے کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتا، پھٹ جائے گا۔ لہٰذا لازم ہے کہ یا تو امام کی نماز مقتدی سے قوی ہو یا برابر۔ لہٰذا نفل تو فرض کے پیچھے نہیں ہو سکتے، کیوں کہ فرض، نفل سے قوی ہے۔ اس لیے امام کا بھی مقتدیوں سے قوی یا برابر ہونا لازم ہے۔ اگر امام مقتدی سے کمزور ہو تو نماز میں خرابی ہوگی۔ امی قاری کی ننگا ساتر کی امامت نہیں کر سکتا۔

سوال احادیث میں وارد ہے کہ معراج کی صبح کو جبریل علیہ السلام نے دو دن حضور ﷺ کو نمازیں پڑھائیں۔ حالاں کہ یہ نمازیں حضور ﷺ پر فرض تھیں اور جبریل علیہ السلام کے لیے نفل، کیوں کہ فرشتوں پر یہ نمازیں فرض نہیں۔ دیکھو فرض نفل کے پیچھے ادا ہوئے۔

جواب جب جبریل علیہ السلام کو رب نے ان نمازوں کا حکم دیا تو وہ نمازیں ان پر فرض ہو گئیں، لہٰذا امامت جائز ہوئی، جیسے دیہات کے باشندے جب شہر میں آجائیں تو ان پر جمعہ و عید فرض ہو جاتا ہے کہ اہل شہر کی امامت بھی کر سکتے ہیں۔

سوال امام مقتدی سے افضل ہوتا ہے۔ لازم آیا کہ جبریل علیہ السلام حضور ﷺ سے افضل ہوں۔

جواب یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ حضور ﷺ نے صحابی عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی

ایک رکعت پڑھی ہے۔ حالاں کہ وہ امتی ہیں اور حضور ﷺ نبی، استاذ شاگرد کے پیچھے، شیخ مرید کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ یہ تو امامت ہے حضور ﷺ تو کعبہ معظمہ سے بھی افضل ہیں، کیوں کہ خیر خلق اللہ ہیں۔ کعبہ بھی جز خلق اللہ ہے، لہٰذا اس سے بھی افضل ہیں۔ حالاں کہ حضور ﷺ ساجد ہیں اور کعبہ مسجود الیہ۔

سوال کم از کم جبریل علیہ السلام نماز کے استاذ ہوئے، کیوں کہ انہوں نے حضور ﷺ کو نماز سکھائی اور حضور ﷺ شاگرد اور استاذ شاگرد سے اعلیٰ ہوتا ہے۔

جواب معلم نہیں صرف مبلغ اور پیغام رساں ہیں، اسی لیے حضور ﷺ کے در دولت پر حاضر ہوتے ہیں۔ اگر استاذ ہوتے تو حضور ﷺ ان کے پاس جاتے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس گئے۔ حضور ﷺ رب کے شاگرد رشید ہیں۔

لکھے نہ پڑھے جناب والا
شاگرد رشید حق تعالیٰ

سوال پھر تو انبیاء کرام کو بھی محض مبلغ ماننا چاہیے، ان کی اتنی تعظیم و توقیر کیوں کی جاتی ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی نبی ماننا چاہیے، جو مبلغ ہو وہ نبی ہے۔

جواب انبیاء کرام خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ فی العروض ہیں، جیسے کہ خرید و فروخت کا وکیل کہ عقد کے سارے احکام اولاً اس سے وابستہ ہوتے ہیں۔ پھر موکل سے پیغمبر جو باتیں امت کو پہنچائیں گے خود بھی پہلے ان پر عمل کریں گے، ایسے ہی استاذ، شیخ، نبی اور امت کے درمیان گویا واسطہ فی العروض ہے۔ مگر فرشتے خالق و مخلوق کے درمیان محض واسطہ فی الثبوت ہیں۔ جیسے نکاح کا وکیل کہ وہ محض موکل کے الفاظ نقل کر دیتا ہے۔ نکاح کے احکام سے اسے کوئی تعلق نہیں یا جیسے رنگریز کہ کپڑے میں رنگ پہنچا دیتے ہیں نہ خود عمل کرتے ہیں، نہ دوسروں سے کراتے ہیں۔ اسی لیے بعض دفعہ جبرئیل علیہ السلام نے مجمع صحابہ میں حضور ﷺ سے کچھ دینی مسائل دریافت کیے تاکہ لوگ سنیں اور عمل کریں۔ خود احکام نہ سنائے۔ لہٰذا پیغمبر نبی ہیں اور فرشتے نبی نہیں۔ جیسے حکام اور محکمہ ڈاک کے کام کرنے والے، احکام بذریعہ ڈاک پہنچاتے ہیں، حکام عمل کرتے کراتے ہیں۔

سوال اس کی کیا وجہ ہے کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا جاتا ہے مگر وضو کا غسالہ پینا مکروہ ہے۔ ایک پانی کے دو حکم کیوں ہیں؟

جواب اس لیے کہ وضو کے پانی سے عبادت کی گئی ہے، لہٰذا اس کی عظمت بڑھ گئی، اسی لیے بچی ہوئی مسواک اور مسجد کے کوڑے کا بھی ادب ہے۔ مگر وضو کا غسالہ نمازی کے گناہ لے کر اعضاء سے علیحدہ ہوا ہے، اسی لیے اس کا پینا مکروہ ہے۔ لیکن نبی کا غسالہ پینا مکروہ نہیں بلکہ ثواب ہے۔ صحابہ کرام پیا کرتے تھے۔ کیوں کہ پیغمبر گناہوں سے معصوم ہیں، وہ سراپا نور ہیں، ان کا غسالہ گناہ لے کر نہیں بلکہ نورانی ہو کر گرا ہے۔

سوال جب وضو سے گناہ جھڑتے ہیں تو چاہیے کہ پیغمبر پر وضو واجب ہی نہ ہو، کیوں کہ وہ بے گناہ ہیں، مقصد وضو وہاں حاصل نہیں۔

جواب ہمارے لیے وضو کے دو فائدے ہیں، ظاہری اور باطنی، ظاہری فائدہ نجاست کا دور ہونا ہے، باطنی فائدہ گناہ جھڑنا۔ انبیاء کرام کے لیے بھی دو فائدے ہیں، ظاہری فائدہ بے وضوئی کا علیحدہ ہونا، باطنی فائدہ مراتب بڑھنا، جو نیکی گناہ گار کے گناہ معاف کراتی ہے وہ بے گناہ کے درجات بڑھاتی ہے، جیسے مسجد کے قدم کہ اس سے گناہ گار کے گناہ جھڑتے ہیں اور نیک کار کے مراتب بڑھتے ہیں۔

سوال قرآن فرماتا ہے کہ نماز بے حیائیوں اور گناہ سے روکتی ہے، حالانکہ بعض نمازی بھی گناہ گار ہوتے ہیں۔ شیطان بڑا نمازی تھا، مگر بڑا گنہگار رہا۔

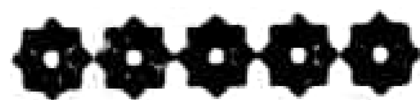
جواب اس کے تین جواب ہیں:

ایک یہ کہ نماز بحالت ادا گناہ نہیں کرنے دیتی، روزہ حج وغیرہ میں جھوٹ وغیبت وغیرہ نہیں ہے۔ مگر نماز میں سارے اعضاء پر کنٹرول ہے۔

دوسرے یہ کہ برائیوں سے روکنا نماز کی تاثیر ہے لیکن اگر تونس والے کی پیاس پانی سے نہ بجھے تو اس میں پانی کا قصور نہیں۔ اگر کوئی زہر سے نہ مرے تو زہر کے قاتل ہونے میں فرق نہ آئے گا۔

تیسرے یہ کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ میں الف لام عہدی ہے، یعنی نماز مقبول جس میں ظاہری و باطنی شرائط کا لحاظ رہے، وہ بے شک گناہوں سے روکتی ہے۔ جو نماز گناہوں سے نہ روکے وہ نماز کا قالب ہے، نہ کہ نماز مقبول۔

[جاری ہے]



غائبانہ نماز جنازہ ناجائز ہے

تحریر: علامہ سید محمود احمد رضوی

تلخیص و توضیح: علامہ عبدالرزاق بھترالوی

ہمارے دور میں غائبانہ نماز جنازہ کا رواج ہو گیا ہے لیکن ''فقہ حنفی'' کی رو سے نماز جنازہ غائبانہ مشروع (جائز) نہیں اور سراج امت سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق یہی ہے۔ اگرچہ یہ مسئلہ فروعی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف دلائل شرعیہ کی روشنی میں بہت ہی مضبوط و مستحکم ہے۔ اس مسئلہ کے دلائل یہ ہیں:

حضور اقدس ﷺ کو جنازۂ مسلمین میں شرکت کا اس درجہ خیال تھا کہ آپ نے صحابہ کو ہدایت فرما دی تھی کہ جب بھی کسی مسلمان کا انتقال ہو تو مجھے ہر حال میں اطلاع دی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میت پر میرا نماز پڑھنا رحمت و برکت ہے، میں ان قبروں کو نماز پڑھ کر روشن و منور فرما دیتا ہوں''---[ابن ماجہ]

مگر بایں کمال اہتمام ہم دیکھتے ہیں کہ زمانہ نبوت میں صدہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ شریف کے علاوہ دیگر مقامات پر انتقال کر گئے، مگر کسی صریح و صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہو، حتی کہ واقعہ بیر معونہ میں ستر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کفار نے دھوکہ سے شہید کر دیا، نبی کریم ﷺ کو ان کی شہادت کا اس قدر شدید صدمہ ہوا کہ آپ ﷺ نے پورے ایک ماہ خاص نماز کے اندر ان کفار کے لیے بددعا (دعائے ضرر) کی اور لعنت فرمائی، مگر ان تمام وجوہ کے باوجود یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے ان ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غائبانہ نماز

پڑھی ہو۔ نبی کریم ﷺ کا بلاعذر بالقصد ان تمام صحابہ کرام ﷡ کا غائبانہ نماز جنازہ نہ پڑھنا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ غائب کا جنازہ پڑھنا امر شرعی ومشروع نہ تھا۔ نیز حضور اقدس ﷺ نے بھی کسی صریح وصحیح حدیث پاک میں نماز جنازہ غائبانہ کا حکم نہیں دیا۔

غائبانہ نماز جنازہ کے جواز کی تین دلیلیں اور ان کا رد

نماز جنازہ غائبانہ کے جواز کے لیے تین واقعوں سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اول نبی کریم ﷺ نے حضرت نجاشی ﷛ کا نماز جنازہ پڑھا، حالانکہ ان کی وفات حبشہ میں ہوئی تھی---[بخاری]

اس استدلال کے متعدد جواب ہیں، ایک جواب یہ ہے کہ صحیح ابن ابوعوانہ میں ہے:

''نجاشی کا جنازہ حضور اقدس ﷺ کے لیے ظاہر کر دیا گیا تھا، لہٰذا یہ جنازہ حاضر پر ہے، غائب پر نہیں''---[عینی شرح بخاری، جلد ۴، صفحہ ۲۵/ فتح الباری]

اسی طرح ''البحر الرائق'' میں ہے کہ حضرت نجاشی ﷛ کی حضور ﷺ نے جو نماز جنازہ پڑھائی تو ابن ہمام نے فرمایا:

''یہ نماز جنازہ غائبانہ نہ تھی بلکہ حضور ﷺ کے لیے ان کی میت ظاہر کردی گئی تھی، اگر میت سامنے حاضر ہو اور مقتدیوں کو نظر نہ آئے تو جواز میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا''---

دوسرا جواب یہ ہے کہ ''صلوٰۃ'' کا معنی دعائے مغفرت بھی ہے، اس لیے ممکن ہے کہ حدیث پاک کا مطلب یہ ہو کہ حضور ﷺ نے نجاشی کے لیے دعائے مغفرت فرمائی---

اس کے علاوہ غیر مقلد اہل حدیث ابن قیم جوزی نے لکھا ہے کہ اہل اسلام میں سے خلق کثیر کی وفات ہوئی مگر نبی کریم ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی اور نجاشی کی جو نماز جنازہ غائبانہ آپ ﷺ نے ادا فرمائی، اس میں تین اختلافی اقوال ہیں۔ امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اس کی روشنی میں ہر غائب کی نماز جنازہ ہے---

اصحاب امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''حضرت نجاشی ﷛ کی نماز جنازہ چوں کہ آپ کی خصوصیت ہے اس لیے دوسروں کے لیے جائز نہیں اور اس خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے کردیا گیا ہو اور آپ نے ''حاضر میت'' کے طور پر نماز جنازہ پڑھی ہو، اس صورت میں صحابہ ﷡ کے نہ دیکھنے کا عذر نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ وہ نماز جنازہ میں آپ ﷺ کے تابع تھے، لہٰذا امام کا دیکھنا کافی تھا۔ اگرچہ انہوں نے نہ دیکھا ہو اور

چوں کہ کسی اور کے لیے اتنی مسافت سے ایسا مشاہدہ نہیں ہو سکتا اس لیے وہ غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتا۔ اس کے علاوہ دیگر غائبین (دوسرے غائب لوگوں) کے لیے نماز جنازہ آپ سے منقول نہیں اور حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت معاویہ لیثی رضی اللہ عنہ کی غائبانہ نماز جنازہ کی جو روایت پیش کی جاتی ہے، وہ صحیح نہیں ہے"---

دوسری دلیل

دوسری دلیل غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے والوں کی یہ ہے کہ معاویہ مزنی رضی اللہ عنہ کا انتقال مدینہ میں ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ تبوک میں پڑھی، لیکن ان کی یہ دلیل بھی صحیح نہیں۔ کیوں کہ ائمہ حدیث، عقیلی، ابن حبان، بیہقی، ابو عمر ابن عبد البر، ابن الجوزی، علامہ ذہبی اور نووی رحمہم اللہ تعالٰی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، ضعیف حدیث سے احکام ثابت نہیں ہوتے، اگر چہ فضائل میں معتبر ہوتی ہے۔ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اور ائمہ حدیث نے اس کے راویوں کو مجہول، کذاب، ضعیف، منکر الحدیث اور متروک الحدیث قرار دیا ہے۔

علامہ عبد البر نے فرمایا:

"اس روایت کی سب سندیں ضعیف ہیں اور احکام کے بارے میں حجت نہیں"---[اصابہ، میزان، استیعاب]

تیسری دلیل

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے والوں کی تیسری دلیل یہ ہے کہ جنگ موتہ میں حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر طیار اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگر شہید ہوئے ہیں، یہ تینوں اسلامی فوج کے کور کمانڈر تھے، پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ان کی شہادت کے بعد جعفر طیار رضی اللہ عنہ ان کی شہادت کے بعد عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ان کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت فتح ہوئی۔ بہر حال ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ جنگ موتہ میں شہید ہونے والے قائدین کی نماز جنازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ادا کی---

لیکن ان کی یہ دلیل بھی درست نہیں، اس لیے کہ یہ حدیث دو طریقوں سے ثابت ہے اور دونوں طریقوں سے مرسل ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے راوی واقدی ہیں اور امام ذہبی نے بیان کیا ہے کہ واقدی کے متروک (سند میں اعتبار نہ کرنا) ہونے میں اجماع ہے اور یہ کہ اس حدیث میں "صلوٰۃ" صرف دعائے مغفرت کے معنی میں ہے جیسا کہ اس حدیث کے قرائن سے

واضح ہے۔ ہم نے یہاں بہت ہی مختصر اور مبہم گفتگو صرف اظہار مسئلہ کے لیے کی ہے، تفصیلی بحث کے لیے ”فیوض الباری، شرح بخاری“ کی جلد سوم ملاحظہ فرمایئے---

غائبانہ نماز جنازہ میں ابن تیمیہ کا قول

ابن تیمیہ کے نزدیک صحیح مسئلہ اس طرح ہے کہ اگر کسی غائب کی کفار کے علاقہ میں وفات ہوئی اور وہاں اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو تو ایسے شخص کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی جائے گی لیکن جس کی وفات ایسی جگہ ہوئی کہ وہاں اس پر نماز جنازہ پڑھی گئی تو ایسے شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی کیوں کہ وہاں لوگوں کے اس پر نماز جنازہ پڑھنے کی وجہ سے فرض ساقط ہو گیا ہے---[زاد المعاد، ابن قیم، جلد ۱، صفحہ ۱۴۵ ملخصاً]

اہل حدیث مسلک کے مشہور عالم عبد القادر روپڑی کا فتویٰ

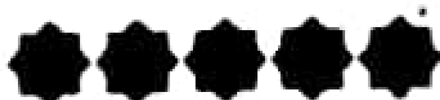
روپڑی صاحب نے اپنے فتویٰ میں لکھا ہے:

”جنازہ غائبانہ کی بابت بہت اختلاف ہے، حنفیہ وغیرہ کے علاوہ کئی اہل حدیث بھی اس کے قائل نہیں۔ نجاشی کی حدیث کی بابت کہتے ہیں کہ وہ غیر ملک میں فوت ہوا، اس کے والی وارث کافر تھے، ظاہر یہی ہے کہ وہاں اس کا جنازہ نہیں پڑھا گیا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں پڑھا۔ خطابی نے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور محقق مقبلی نے اسی کو اختیار کیا۔ وریانی نے بھی اسی کو پسند کیا ہے اور ابو داؤد نے اس پر باب باندھا ہے۔ غرضے کہ جنازہ غائب کی بابت اس قسم کے اختلاف ہیں، میری کسی طرح تسلی نہیں اس لیے میں خود جنازہ غائب نہیں پڑھا کرتا“---[تنظیم اہل حدیث، ۱۱ جون ۱۹۶۵ء]

نوٹ

غائبانہ نماز جنازہ پر یہ مضمون شارح بخاری مولانا محمود احمد رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے، جو ماہنامہ رضوان، اکتوبر ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا، جس کو میں نے کچھ تصرفات کے ساتھ نقل کیا ہے---[بھٹہ والوی]

تفصیلی بحث کے لیے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا رسالہ ”الهادی الحاجب عن جنازة الغائب“ کا مطالعہ بے حد مفید ہے، یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ، جلد ۴، صفحہ ۵۸ تا ۷۷ شامل ہے---[ادارہ]



اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ

حی علی الصلوٰۃ
سینتیسویں قسط

متفرق مسائل نماز

پروفیسر خلیل احمد نوری

نماز کے بعد اذکار

نماز کے بعد ذکر الٰہی، حضور ﷺ اور صحابہ کرام کی سنت مبارکہ ہے۔ حضور ﷺ کے زمانہ اقدس میں سلام پھیرنے کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہا جاتا تھا، جس سے گردو پیش کے گھروں تک آواز پہنچ جاتی اور وہ اسی آواز سے اندازہ کر لیا کرتے تھے کہ جماعت ختم ہو گئی ہے۔ نماز کے بعد کلمہ طیبہ کا بلند آواز سے ذکر کرنا بھی اسی سنت کی اتباع ہے۔ سلام کے بعد حضور ﷺ کئی اذکار اور دعائیں پڑھا کرتے تھے۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ، "یعنی میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتا ہوں" کہا کرتے تھے [صحیح مسلم] ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ آپ ﷺ ہر نماز کے بعد یہ پڑھتے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ---

اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَ لَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَ لَا یَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ---[متفق علیہ]

''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ اسی کی تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

اے اللہ! جو کچھ تو عطا فرمائے، اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو کچھ تو نہ دے، اسے کوئی دے نہیں سکتا اور کسی دولت مند کو اس کی دولت تیرے عذاب کے مقابلے میں نفع نہیں دے گی''---

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''حضور اکرم ﷺ جب نماز سے سلام پھیرتے تو تین بار استغفار کہتے اور یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْکَ السَّلَامُ............... آخر تک---

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص نماز کے بعد ان کلمات کا ورد کرے گا اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے، اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں''---

کلمات یہ ہیں، ان کو تسبیحاتِ فاطمہ بھی کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ حضور ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی، سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی ان کا ورد کرنے کا حکم فرمایا۔

تسبیحات

۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ، ۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، ۳۴ مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَر، ایک بار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَ لَہُ الْحَمْدُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ---

آیت الکرسی

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس آدمی نے نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھی، اسے جنت میں داخل ہونے سے صرف موت رکاوٹ ہے۔[مشکوٰۃ]

﴿اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ، لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَ مَا خَلْفَھُمْ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَا یَؤُدُہٗ حِفْظُهُمَا وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۞﴾---

"اللہ، جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ زندہ ہے اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے۔ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند، زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کی ملکیت ہے۔ کون ہے جو اس کی بارگاہ میں، اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے، وہ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے آگے ہے اور جو کچھ پیچھے ہے اور لوگ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے، اس کی کرسی زمین و آسمان کو حاوی ہے اور اسے ان کی نگہبانی تھکا نہیں سکتی اور وہی بلند اور عظمت والا ہے"---

دعا

دعا کی اہمیت

قرآن کریم میں ہے کہ اے میرے حبیب (ﷺ) میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو آپ انہیں بتا دیں کہ میں بالکل نزدیک ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں، جب وہ مجھ سے دعا مانگے۔[البقرۃ:۱۸۶]

کوئی بھی ضرورت مند، دکھی اور دردر کی ٹھوکریں کھاتا ہوا انسان، جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے، تو اس کے قلب پریشان کو بے پناہ تسکین ملتی ہے اور قرآن مجید کے وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے قبولیت کی خوش خبری ملتی ہے۔ خاص طور پر جب نمازی نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا تقرب بڑھ جاتا ہے اور بعد از نماز بے ساختہ اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں دست بدعا ہو جاتا ہے۔ ان لمحوں میں کی ہوئی دعا زیادہ پرتاثیر اور مقبول بارگاہ ہوتی ہے۔ اس لیے ان لمحوں کی قدر کرتے ہوئے نہایت خشوع و خضوع سے دعا کریں، اپنے اندر دعا کا ذوق پیدا کریں اور قبولیتِ دعا کا یقین رکھیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ جب کوئی مسلمان دعا کرتا ہے، جس میں گناہ اور قطع رحمی کا سوال نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کے باعث اسے تین چیزوں میں سے ایک چیز عطا فرما دیتا ہے:

۱ یا تو اسی دنیا میں فوراً اس کی دعا قبول کر لیتا ہے۔

۲ یا اس کی دعا کو آخرت کے لیے ذخیرہ بنا دیتا ہے۔

۳ یا پھر دعا کرنے والے کی مطلوبہ چیز کے بدلے میں آنے والی مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔[مشکوٰۃ شریف]

حضور فخر عالم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی چیز عزت و فضیلت والی نہیں''---[ترمذی]

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''دعا عبادت کا مغز ہے''---[مشکوٰۃ]

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے''---[ترمذی]

آداب دعا

دعا کے آداب اور اس کے تقاضوں کا خیال رکھیں تا کہ دعا مقامِ قبولیت تک پہنچے۔ چند آداب دعا درج ذیل ہیں۔

۱ آداب دعا میں سب سے اہم یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں، پھر حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں درود شریف کا نذرانہ پیش کریں۔

۲ پورے اعتماد و رغبت اور پختگی سے سوال کریں، یوں نہ کہیں کہ اگر تو چاہے تو بخش دے، اگر چاہے تو عطا فرمادے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو عطا فرمانا کچھ مشکل نہیں ہے۔[مسلم]

۳ حلال اور پاکیزہ روزی کا اہتمام رکھیں۔ حرام غذا و لباس کے ہوتے ہوئے دعا مقام قبولیت تک نہیں پہنچتی۔ یہ حدیث پاک کا مفہوم ہے۔[مشکوٰۃ]

۴ جیسا خود نیکی کے راستے پر چلتے ہیں، دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے رہیں اور جیسا خود برائی سے بچتے ہیں، اوروں کو بھی برائی سے روکیں، ورنہ یہ چیز دعا کی قبولیت میں رکاوٹ بن جائے گی۔ حدیث پاک میں ہے کہ اگر تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی۔[ترمذی]

۵ دعا کرتے وقت اِدھر اُدھر نہ دیکھیں، نظریں جھکائے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں محو دعا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ زبان سے الفاظ دعا نکل رہے ہوں اور دل کسی اور خیال کی طرف متوجہ ہو۔ یہ غفلت کی دعا ہے اور حدیث پاک میں ہے کہ غافل کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔[ترمذی]

۶ جب آرام و راحت، دولت اور صحت و تندرستی ہو تو بھی دعائیں مانگتے رہیں۔ اس کا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

فائدہ یہ ہوگا کہ جب بھی خدانخواستہ کسی مصیبت، پریشانی یا مرض میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ دعا ضرور قبول فرمائے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

''جس کسی کو یہ پسند ہو کہ سختیوں کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے، اسے چاہیے کہ خوش حالی کے زمانہ میں کثرت سے دعا کرے''---[ترمذی]

۷ دعا کا اثر ظاہر ہو یا نہ، دعا کرنا نہ چھوڑیں۔ ایسا نہ ہو کہ جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ سوچیں کہ اب تک دعا قبول نہیں ہوئی اور دعا کرنا ترک کر دیں۔ حدیث پاک میں ہے:

''تم میں سے جو شخص دعا کرے اس کی دعا قبول ہوتی ہے، جب تک کہ جلدی نہ مچائے۔ جلدی مچانا یہ ہے کہ یوں کہے کہ میں نے دعا کی، لیکن قبول نہیں ہوئی''---[بخاری]

۸ دعا کے وقت ہاتھوں کو پھیلا کر سینے کے مقابل کرنا چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تمہارے پروردگار کو شرم آتی ہے کہ اس کا بندہ جب اس کی طرف ہاتھ پھیلائے تو وہ انہیں خالی لوٹا دے''---[ترمذی]

درست یہ ہے کہ ہتھیلیوں کا رخ آسمان کی طرف ہو، انگوٹھے انگلیوں سے الگ ہوں اور دونوں ہاتھوں کے درمیان معمولی سا فاصلہ ہو۔

۹ دعا کے وقت خوب مسکینی اور عاجزی کا اظہار کریں، للچا کر، اصرار کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگیں، کم از کم تین تین بار سوال کریں۔

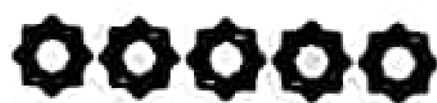
۱۰ قرآن و حدیث میں مذکور دعاؤں کو اختیار کریں تو زیادہ بہتر ہے، ان کے الفاظ جامع اور زیادہ برکت والے ہیں۔

۱۱ جب کسی کے لیے دعا کریں تو پہلے اپنے لیے پھر دوسروں کے لیے دعا کریں۔

۱۲ امام ہوں تو صرف اپنے لیے ہی نہیں بلکہ مقتدیوں کو بھی دعا میں شریک کریں یعنی واحد کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے جمع کا صیغہ بولیں۔

۱۳ اختتام دعا پر ایک بار پھر درود شریف پڑھیں اور آمین کہہ کر منہ پر ہاتھ پھیر لیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضور رسول اکرم ﷺ جب دعا میں ہاتھ اٹھاتے تو جب تک چہرے پر ہاتھ نہ پھیر لیتے، نیچے نہ گراتے۔[مشکوٰۃ]

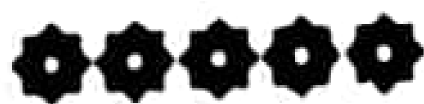
[جاری ہے]



"امام احمد رضا"

حق تعالیٰ کی، محمد کی عطا احمد رضا
زورِ حیدر، قوتِ غوث الوریٰ احمد رضا
پیکرِ حق، اہل حق کا رہنما احمد رضا
دیدہ ور، دیدہ وروں کا پیش وا احمد رضا
رہروانِ شوق کا منزل نما احمد رضا
طالبانِ علم کا عقدہ کشا احمد رضا
حسنِ بزمِ الفتِ خیر الوریٰ احمد رضا
زینتِ گلزارِ عشقِ مصطفیٰ احمد رضا
با خدا احمد رضا، با مصطفیٰ احمد رضا
عشق کا نغمہ، محبت کی نوا احمد رضا
مصطفیٰ کی بے مثالی اس کا موضوعِ سخن
نور کی سرکار کا نغمہ سرا احمد رضا
حفظِ ناموسِ محمد مصطفیٰ میں اپنا فرض
عزم و ہمت سے ادا کرتا رہا احمد رضا
آج بھی روشن ہیں، جو روشن کیے اس نے چراغ
کار فرما آج بھی ہے جا بجا احمد رضا
ہر زمانے میں سنائی دے گی اس کی بازگشت
جو بلند آواز مدحت کر گیا احمد رضا
عصر حاضر دور ہے اس عاشقِ سرکار کا
آج ہر سو ہے صدا احمد رضا، احمد رضا

"محتاج رحمت شاہ حجاز [۱۴۲۵ھ]"
محمد عبد القیوم طارق سلطان پوری



حی علی الصلوٰۃ

انتیسویں قسط

سجدۂ سہو کا طریقہ اور اس کے مسائل

پروفیسر خلیل احمد نوری

سہو کا مطلب بھول جانا ہے۔ نماز میں بھول جانے کی وجہ سے آخری قعدہ میں دو زائد سجدے کئے جاتے ہیں۔ ان کو سجدہ سہو کہتے ہیں۔

نماز خواہ کوئی ہو، اس میں کچھ اعمال فرض ہیں، کچھ واجب اور بعض سنت و مستحب۔ فرض باتیں رہ جائیں تو سجدہ سہو کرنے سے ان کی کمی پوری نہیں ہوتی بلکہ نماز کو دہرانا پڑتا ہے۔ جن باتوں کا کرنا سنت یا مستحب ہے، ان کے رہ جانے سے نماز میں ایسی خرابی نہیں پڑتی کہ نماز نئے سرے سے پڑھنی پڑے اور نہ ہی سجدہ سہو کی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ جو باتیں نماز میں واجب کے درجے میں ہیں ان میں سے کوئی جان بوجھ کر چھوڑ دیں تو نماز دہرانا ہوگی، ہاں بھول کر واجب رہ جائے تو سجدہ سہو سے یہ کمی پوری ہو جاتی ہے۔

رکعتوں کی تعداد میں شک ہو تو کیا کریں؟

اگر رکعتوں کی تعداد میں شک ہو تو دیکھیں کہ اگر یہ بھول پہلی بار ہوئی ہے تو چاہئے کہ نئے سرے سے نماز پڑھیں۔ اگر بار بار شک ہوتا رہتا ہے تو غالب رائے پر عمل کریں، مثلاً چار رکعتوں کی نماز پڑھتے ہوئے شک ہوا کہ تین رکعتیں ہوئی ہیں یا چار؟ تو چاہئے کہ دیکھیں، آپ کی غالب

رائے تین کی ہے یا چار کی، اگر تین کی غالب رائے ہے تو تین اور چار کی ہے تو چار شمار کریں۔اگر غالب رائے کسی طرف نہ ہو تو کمی کی جانب کو اختیار کریں، یعنی تین رکعتیں شمار کریں-----اگر تین رکعتیں شمار کیں تو اس صورت میں ایک قعدہ (بطور آخری قعدہ) ان تینوں کے بعد کریں اور ایک قعدہ مزید ایک رکعت پڑھ کر کریں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے جن رکعتوں کو آپ نے تین شمار کیا ہے، وہ حقیقت میں چار ہوں اور چار رکعتوں کے آخر میں قعدہ کرنا ضروری ہے۔مزید ایک رکعت پڑھ کر قعدہ اس لئے ضروری ہے کہ آپ کی غالب رائے میں چار رکعتیں اب ہوئی ہیں اس کے بعد قعدہ ضروری ہوا۔

اگر دو رکعتوں کی نماز میں ایک اور دو رکعتوں میں شک ہو تو یہی درج بالا صورت اختیار کریں یعنی ایک رکعت شمار کر کے قعدہ کریں، پھر مزید ایک رکعت پڑھ کر بھی قعدہ کریں۔اسی طرح تین رکعتوں کی نماز ہو اور دو اور تین میں شک پڑے تو دو شمار کر کے قعدہ کریں پھر ایک رکعت مزید پڑھ کر بھی قعدہ کریں۔ان تمام صورتوں میں سجدہ سہو ضروری ہے۔

فرضوں کے آخری قعدہ کے بعد زائد رکعتیں پڑھنا

اگر بھول کر فجر کی نماز دو کے بجائے چار رکعتیں پڑھ لیں یا ظہر، عصر اور عشاء کی نمازیں چار کے بجائے چھ رکعتیں پڑھ لیں، تو اب یہ دیکھ لیں کہ اصل رکعتوں کے آخر میں قعدہ کیا ہے، یعنی تشہد کی مقدار بیٹھے ہیں؟ اگر ایسا کیا ہے تو فرض نماز مکمل ہوگئی اور یہ زائد رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔لیکن آخر میں سجدہ سہو کرنا ہوگا (فجر اور عصر کے فرضوں کے بعد نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔مگر یہ اس وقت ہے جب جان بوجھ کر پڑھیں، بھول کر یا بحالت مجبوری مکروہ نہیں)

آخری قعدہ کیے بغیر کھڑا ہونا

اگر کسی بھی نماز کی رکعتیں پوری کر کے آخری قعدہ کئے بغیر بھول کر کھڑے ہو جائیں، اگر اس زائد رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے یاد آجائے تو بیٹھ جائیں اور تشہد پڑھ کر سجدہ سہو کرلیں۔دوبارہ تشہد درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دیں، نماز مکمل ہوگئی۔اگر زائد رکعت کا سجدہ کرلیا تو پھر آخری قعدہ کے لئے نہیں بیٹھا جاسکتا، اب آپ کو اختیار ہے کہ اس رکعت کے ساتھ ایک اور رکعت ملالیں تاکہ یہ رکعتیں ضائع نہ ہوں اور یہ سب نفل ہو جائیں۔اگر آپ نے مزید ایک رکعت نہ ملائی تو

پہلی دو رکعتوں کے بعد کی رکعتیں ضائع ہوگئیں، کیوں کہ ان میں آخری قعدہ جو کہ فرض تھا وہ رہ گیا ہے۔ اگر یہ نماز فرض، وتر یا سنت مؤکدہ تھی تو اسے نئے سرے سے پڑھیں۔

اگر یہ نماز، مغرب کے فرض ہوں تو یہی ایک رکعت زائد کافی ہے، ایک اور رکعت نہ ملائیں۔ یہ چار رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔ ایک اور رکعت ملانے سے پانچ رکعتیں ہو جائیں گی جب کہ نفلوں میں تین یا پانچ رکعتوں کی نماز کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس صورت میں سجدہ سہو کی ضرورت نہیں ہے۔

واپسی پر دوبارہ تشھد نہ پڑھیں

اگر کسی نماز کے آخری قعدہ میں تشہد پڑھنے کے بعد کھڑے ہو جائیں اور پھر یاد آنے پر زائد رکعت کے سجدہ سے پہلے بیٹھ جائیں تو بیٹھتے ہی سجدہ سہو کر لیں اور تشہد، درود و دعا پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ اس سجدہ سہو سے پہلے دوبارہ تشہد کی ضرورت نہیں ہے۔

سجدۂ سھو کی مزید چند صورتیں

اس کی کئی صورتوں میں سے اہم ترین یہ ہیں۔ ان کو یاد کر لیں مثلاً:

۱ کسی رکعت میں ایک ہی سجدہ کیا، یاد آیا تو اب ادا کر لیا تو سجدہ سہو ضروری ہے۔

۲ قیام میں تاخیر کر دی، مثلاً پہلی رکعت کے دونوں سجدے کرنے کے بعد بیٹھ جائیں اور تین بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار بیٹھے رہیں، یاد آنے پر کھڑے ہو جائیں تو قیام میں تاخیر ہوگئی، اس لئے سجدہ سہو لازم ہے۔

۳ کسی فرض کو دوبارادا کر لیں، جیسے ایک رکعت میں دو رکوع یا تین سجدے کر لیں، سجدہ سہو ادا کرنا ہوگا۔

۴ کسی رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا بھول جائیں تو بھی سجدہ سہو واجب ہے۔

۵ جن رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد سورت ملانا واجب ہے، ان میں سورت ملانا بھول جائیں۔ یاد رہے کہ فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں، سنتوں کی تمام رکعتوں میں، خواہ مؤکدہ ہوں یا غیر مؤکدہ اور وتر کی تینوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد سورت ملانا واجب ہے۔

۶ سورت فاتحہ پڑھنے کے بعد سوچ میں پڑ جائیں کہ کون سی سورت پڑھوں اور اتنی دیر لگ جائے جتنی دیر میں تین بار سبحان اللہ پڑھا جا سکتا ہو، تو بھی سجدہ سہو ادا کرنا پڑے گا۔

۷ اگر امام صاحب، ظہر اور عصر کی نمازوں میں بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگیں یا مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں آہستہ آواز سے تلاوت کرنے لگیں تو سجدہ سہو کرنا ہوگا۔

۸ پہلا قعدہ چھوڑ دیں تو بھی سجدہ سہو لازم ہے۔

نوٹ

یادرکھیں کہ اگر پہلا قعدہ بھول کر کھڑے ہوتے ہوئے یاد آجائے تو اس وقت تک واپس بیٹھ جائیں جب تک پورے طور پر کھڑے نہ ہوں، آخر میں سجدہ سہو کرلیں۔

۹ تین یا چار رکعتوں والی فرض نمازوں یا ظہر اور جمعہ کی پہلی چار سنتوں یا وتروں میں پہلے قعدہ میں التحیات عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ تک مکمل کرنے کے بعد درود شریف پڑھنے لگ جائیں۔ اگر اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ تک یا اس سے زیادہ پڑھ لیں تو سجدہ سہو ضروری ہے، اس سے کم ہو تو سجدہ سہو کی ضرورت نہیں۔

۱۰ اگر چوتھی رکعت میں بیٹھنا یاد نہ رہے اور پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہو جائیں تو اگر ابھی حالت قعدہ کے قریب ہوں تو واپس آجائیں، سجدہ سہو کی ضرورت نہیں ہے اور اگر حالت قیام کے قریب یا اس کے بعد یاد آئے تو بھی واپس بیٹھ جائیں مگر اس صورت میں سجدہ سہو لازم ہوگا۔ اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر کے بیٹھیں گے تو نماز نہیں ہوگی کیوں کہ چار رکعتوں کے بعد آخری قعدہ فرض تھا جو کہ رہ گیا ہے۔ فرض رہ جائے تو نماز دہرانا پڑتی ہے۔

۱۱ التحیات کی جگہ بھول کر کچھ اور پڑھ لیں تو سجدہ سہو کریں۔

۱۲ دعا قنوت پڑھنا بھول جائیں تو سجدہ سہو کریں۔

۱۳ دعا قنوت سے پہلے والی تکبیر کہنا بھول جائیں تو بھی سجدہ سہو کریں۔

نوٹ

۞ سجدہ سہو ادا کر لینے کے بعد اگر کوئی اور ایسی بات سرزد ہو جس کی وجہ سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے تو اب دوبارہ سجدہ سہو ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۞ اگر ایک ہی نماز میں متعدد غلطیاں سرزد ہوں جن کی وجہ سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے

تو آخر میں ایک ہی سجدہ سہو کافی ہو جائے گا۔

✿ سجدہ سہو واجب ہونے کے باوجود بھول کر ایک طرف یا دونوں طرف سلام پھیر دیں تو جب تک اسی جگہ نماز کی حالت میں بیٹھے رہیں اور نماز توڑنے والا کوئی اور کام نہ کریں، سجدہ سہو کر سکتے ہیں اور اس سے نماز مکمل ہو جائے گی۔

۱۴ امام صاحب کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں جب آپ کی ایک یا زیادہ رکعتیں باقی ہوں، مگر بھول کر امام کے ساتھ ہی سلام پھیر دیں اور بعد میں یاد آئے کہ ابھی کچھ رکعتیں باقی ہیں، تو اٹھ کر بقیہ نماز مکمل کر لیں۔ از سر نو نماز نہ پڑھیں، البتہ آخر میں سجدہ سہو کرنا پڑے گا۔

۱۵ اگر رکعتوں کی تعداد میں شک کی وجہ سے سوچ میں پڑ جائیں اور تین بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار رکے رہیں، یعنی قراءت یا تسبیح وغیرہ پڑھنے میں مشغول نہ رہیں، تو اس صورت میں سجدہ سہو ضروری ہوگا۔

سجدہ سہو کا طریقہ

سجدہ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ آخری قعدہ میں تشہد کے بعد دائیں طرف سلام پھیریں۔ پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کریں، اسی طرح دوسرا سجدہ بھی کر لیں اور دوبارہ تشہد پڑھ کر درود شریف اور دعا پڑھیں اور سلام پھیر دیں۔

نوٹ

جس شخص کی جماعت سے ایک یا زیادہ رکعتیں رہ گئی ہوں وہ اس وقت تک کھڑا نہ ہو جب تک امام صاحب دوسری طرف کا سلام شروع نہ کر دیں۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ امام صاحب سے بھول ہو چکی ہو اور وہ ایک سلام پھیر کر سجدہ سہو کریں۔

[جاری ہے]



عید ملن پارٹی

فیض نوری

گزشتہ دنوں دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف میں عید میلاد النبی ﷺ کے سلسلے میں ایک منفرد تقریب منعقد ہوئی۔ تلاوت ونعت شریف کے بعد جانشین فقیہ اعظم حضرت صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ عام طور پر لوگ عید الفطر کے بعد مل بیٹھنے کا اہتمام کرتے ہیں مگر عیدوں کی عید، عید ربیع الاول کے موقع پر اہل محبت کا اجتماع باعث خیر و برکت ہے۔

تقریب ہمہ پہلو منفرد اور قابل ستائش تھی، جس میں اراکین میلاد کمیٹی کے علاوہ عمائدین شہر نے کثیر تعداد میں شمولیت کی۔ شرکاء نے اس امر کا برملا اظہار واعتراف کیا کہ حضرت سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے بصیر پور میں جلوس کا آغاز کر کے جشن میلاد کا شعور بخشا، اب جانشین فقیہ اعظم دامت برکاتہم العالیہ نے عید ملن پارٹی کا منفرد تصور پیش کر کے عید میلاد کی خوشیوں کو دوبالا کیا۔

ذیل میں اس تقریب سعید کے دعوت نامہ کا متن نذر قارئین ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عیدوں کی عید، عید میلاد النبی ﷺ کے روح پرور موسم بہار کی مناسبت سے

عید ملن پارٹی

کا پروگرام ترتیب دیا گیا ہے، براہ کرم شمولیت فرمائیں

پروگرام ان شاء المولٰی تعالٰی

تاریخ: 14 مئی 2004ء، بروز جمعۃ المبارکہ، 7 بجے شام

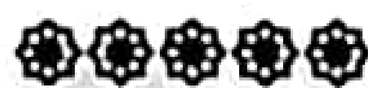
مقام تقریب: دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف

آغاز تقریب: 7-15 بجے شام — ضیافت میلاد (عشائیہ): 7-30 بجے شام

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف

فون نمبر: 71014 (04449)



حی علی الصلوٰۃ

چھتیسویں قسط

متفرق مسائل نماز

پروفیسر خلیل احمد نوری

مرد اور عورت کی نماز میں فرق

نماز ادا کرنے میں عورت اور مرد کے درمیان کچھ فرق رکھا گیا ہے تا کہ اس کی پردہ داری متاثر نہ ہو اور اعضاء چھپے رہیں۔ یہ فرق اس پر نماز فرض ہونے میں بھی ہے، مثلاً نماز جمعہ اور دونوں عیدوں کی نمازیں عورت پر فرض نہیں ہیں، نماز جنازہ میں بھی عورتیں حاضر نہیں ہوتیں۔ اسی طرح مرد کے لیے زیادہ ثواب مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کرنے میں ہے، مگر عورت کے لیے زیادہ ثواب گھر کے اندر اور وہ بھی کسی گوشے میں نماز ادا کرنے میں ہے۔ نماز پڑھتے ہوئے عورت اور مرد کے درمیان فرق کے متعلق یہ حدیث پاک دیکھیے:

"رسول اللہ ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا، جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیوں کہ عورت کا حکم اس میں مرد کی طرح نہیں ہے"---[مراسیل ابوداؤد]

عورتیں تکبیر تحریمہ کہتے وقت صرف کندھوں تک ہاتھ اٹھائیں اور چادر کے اندر سے ہاتھ باہر نہ نکالیں۔ قیام میں سینے پر ہاتھ باندھیں اور دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھیں، انگلیاں ملی ہوئی ہوں، رکوع میں صرف اتنا جھکیں کہ ہاتھ گھٹنوں پر رکھے جا سکیں اور پیٹھ بالکل سیدھی نہ ہو،

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی لَہٗ

رکوع میں انگلیاں ملی ہوئی ہوں اور گھٹنوں پر زور نہ دیں بلکہ ان کو تھوڑا سا جھکائیں، سجدہ کرتے وقت بغلیں سمیٹ کر رکھیں، پاؤں باہر نکال کر بازوؤں کو کروٹوں سے ملائیں اور زمین پر خوب بچھ کر سجدہ کریں، قعدہ میں دونوں پاؤں باہر نکال کر بیٹھیں اور ہاتھوں کی دونوں انگلیاں ملا کر رکھیں۔

غائبانہ نماز جنازہ

نماز جنازہ کے لیے میت کا سامنے موجود ہونا ضروری ہے، غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں ہے۔ حضور ﷺ سے پوری حیات طیبہ میں ایک مرتبہ اس طرح نماز جنازہ ادا فرمانا ثابت ہے کہ بظاہر آپ کے سامنے میت موجود نہیں تھی، یعنی حبشہ کے بادشاہ حضرت نجاشی کی۔ لیکن یہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہے، ورنہ دور دراز علاقوں میں بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام ﷺ کی وفات یا شہادت کے واقعات پیش آئے اور آپ ﷺ کو مدینہ طیبہ میں اس کا غیبی علم بھی ہوا لیکن آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ ادا نہیں فرمائی، مثلاً حضرت خبیب ﷺ کو کفار مکہ نے شہید کیا تو حضور ﷺ نے ان کی شہادت کی خبر صحابہ کرام ﷺ کو دی مگر نہ خود غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اور نہ کسی کو حکم دیا۔

حضور ﷺ کی وفات شریف کے بعد خلفائے راشدین کی وفات وشہادت کے واقعات پیش آئے، دیگر علاقوں میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی، حالانکہ تمام صحابہ تو ان کے جنازوں میں شامل نہ تھے۔ درحقیقت یہ معجزہ ہے کہ نجاشی بادشاہ کی میت حضور ﷺ کے سامنے کر دی گئی تھی اور درمیان سے تمام پردے اٹھا دیے گئے تھے، جیسا کہ معراج سے واپسی پر کفار نے بیت المقدس کے متعلق سوالات کیے تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو حضور ﷺ کے سامنے کر دیا۔ اسی لیے ایک صحابی کا ارشاد ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کے پیچھے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی تو ہم یہی سمجھتے رہے کہ جنازہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ لہٰذا غائبانہ نماز جنازہ کا تصور درست نہیں۔

ایک سے زیادہ بار نماز جنازہ ادا کرنا

اگر ایک بار کسی نے نماز جنازہ پڑھا دی ہو اور اس میت کے ولی یعنی خونی رشتے کے اعتبار سے قریب ترین آدمی نے نماز جنازہ میں شرکت کر لی ہو یا اس نے خود پڑھائی ہو، تو اسی میت کی دوبارہ نماز جنازہ ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ جنازہ سے رہ جانے والے لوگ دعا واستغفار میں لوگوں کے ساتھ شریک ہو جائیں اور تکرار نماز پر اصرار نہ کریں۔ حضرت عبداللہ بن سلام ﷺ، حضرت

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

عمر ﷺ کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کر سکے، جب وہاں آئے تو لوگوں سے کہنے لگے کہ آپ لوگ نماز جنازہ میں مجھ سے سبقت لے گئے ہو، لیکن اب دعا میں مجھے شریک کرلو [بدائع الصنائع] اسی طرح حضور ﷺ نے حضرت عمر ﷺ کو دوبارہ نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمادیا تھا۔

مسجد اور اس کے احکام و آداب

اگرچہ ہم جہاں کہیں ہوں، پاک جگہ کا انتخاب کر کے نماز ادا کر سکتے ہیں لیکن مسجدیں بطور خاص اسی غرض سے تعمیر کی جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے اسلام میں مساجد کو خصوصی شرف اور تقدیس حاصل ہے۔ مسجدیں مقام نماز ہی نہیں، اسلامی معاشرے کا مرکز خصوصی ہیں اور درس و تدریس قرآن و حدیث، اشاعت دین، اصلاح معاشرہ اور اتحاد ملت کا ذریعہ ہیں۔ ابتداء اسلام میں مملکت کے امور بھی مسجد میں انجام پاتے تھے، یہیں سے اسلام کے لشکر روانہ ہوتے، اہم مشوروں کے لیے یہیں پر مجلسیں منعقد ہوتیں اور باہر سے آنے والے وفدوں کے ساتھ گفتگو کی جاتی۔

اگر غور کیا جائے تو اتنی بڑی آرگنائزیشن کا دنیا بھر میں کہیں وجود نہیں ملے گا جو مسلمانوں نے مساجد کی صورت میں قائم کر رکھی ہے۔ مسلمانوں کی کوئی ایسی بستی، قصبہ یا شہر نہ ہوگا جس میں چھوٹی یا بڑی مسجد نہ ہو۔ ان کی تعمیر پر اربوں روپے خرچ کیے جا چکے ہیں، جو اہل اسلام رضا کارانہ پیش کرتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس تنظیم کو سائنسی بنیادوں پر استوار کر کے مساجد کی عظمت رفتہ کو بحال کیا جائے اور دور جدید کے تقاضوں کے مطابق مساجد کی مدد سے اسلامی سوسائٹی کو علم و اخلاق سے آراستہ کیا جائے۔ اہل محلہ کے معاشی و معاشرتی اور دیگر مسائل کا حل اسی تنظیم کے ذریعے سے ہو اور لوگ اپنی تمام مشکلات میں مسجد کی طرف رجوع کریں اور ہر علاقے کی مسجد کو گردو پیش کے باسیوں کے لیے مرکز کی حیثیت حاصل ہو جائے۔

شریعت نے مساجد کی اس اہمیت کی وجہ سے اس کے خاص آداب و احکام بیان فرمائے ہیں تا کہ مسجدیں آباد رہیں، ان کی تعمیر و ترقی کا انتظام ہوتا رہے اور ان کی تقدیس پر کوئی حرف نہ آئے اور لوگ پر سکون ہو کر عبادت کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"بے شک مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں، لہٰذا مسجد میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو"---[الجن:۱۸]

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

''اور اس شخص سے کون زیادہ ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اللہ کا ذکر کیے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے۔ان لوگوں کو تو کبھی بے خوف ہو کر ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہیے تھا۔ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہوگی اور انہیں آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی''---[البقرہ:۱۱۴]

حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

''اللہ تعالیٰ کو شہروں اور بستیوں میں مسجدیں بے حد پسند ہیں اور منڈیاں اور بازار سخت ناپسند ہیں (کیوں کہ بازاروں میں جھوٹ، جھوٹی قسمیں اور دھوکہ دہی زیادہ ہوتی ہے)''---[مسلم]

حضور ﷺ نے فرمایا:

''مسجدیں دنیا میں جنت کے باغ ہیں''---

یہ بھی ارشاد فرمایا:

''جو بندہ جس وقت بھی صبح یا شام کو اپنے گھر سے نکل کر مسجد کی طرف جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت کی مہمانی کا سامان تیار کراتا ہے، وہ جتنی دفعہ بھی صبح یا شام کو مسجد میں جائے''---[متفق علیہ]

تعمیر مساجد کی فضیلت میں فخر عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجد تعمیر کی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر تعمیر فرماتا ہے''---[متفق علیہ]

مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا

بعض لوگ جب مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو اس کا خیال رکھے بغیر کہ بعض لوگ سنتوں، نوافل یا قرآن کریم کی تلاوت اور تسبیح واذکار میں مصروف ہیں، سلام کہتے ہیں۔اس سلسلہ میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ:

۱ اگر لوگ نماز، تلاوت اور وظائف وغیرہ میں مشغول نہ ہوں تو سلام کریں۔

۲ اگر بعض لوگ فارغ اور بعض لوگ مشغول ہوں تو صرف فارغ لوگوں کو سلام کریں۔

یعنی جب ان کے قریب ہوں تا کہ صرف وہی سن سکیں اور مشغول لوگوں کو حرج نہ ہو۔

۳ اگر مسجد میں کوئی شخص نہ ہو یا سب لوگ مشغول ہوں تو یہ الفاظ آہستہ آواز سے کہہ لیں

"اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ"---

احکام و آداب مسجد

❁ مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھیں:

بِسْمِ اللّٰهِ وَ الصَّلٰوةُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ---

"اللہ تعالیٰ کے نام سے مسجد میں داخل ہوتا ہوں اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ پر اللہ کی رحمت اور سلام ہو۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرمادے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے"---

❁ مسجد سے باہر نکلیں تو یوں دعا مانگیں:

بِسْمِ اللّٰهِ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ وَ رَحْمَتِکَ---

"اللہ تعالیٰ کے نام سے مسجد میں داخل ہوتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر صلوٰۃ و سلام ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل اور رحمت کا طلب گار ہوں"---

❁ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں رکھیں اور باہر نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں باہر نکالیں۔

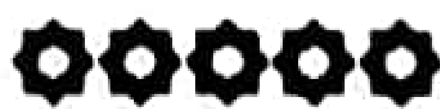
❁ مسجد میں حاضری، چوں کہ دربار الٰہی میں حاضری ہے، اس لیے وقار اور اطمینان کے ساتھ مسجد میں آئیں، کپڑے صاف اور پاکیزہ ہوں، اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف دل میں سمایا ہوا ہو، عجز و انکسار کا مجسمہ بن کر آئیں۔

❁ بدبودار چیزیں کھا کر یا لے کر مسجد میں نہ جائیں۔ حضور ﷺ نے کچی لہسن یا پیاز کھا کر مسجد میں آنے سے منع فرمایا ہے۔

❁ مسجد میں داخل ہوں تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کریں، بشرطیکہ ممنوع یا مکروہ وقت نہ ہو۔

- مسجد میں دنیاداری کی باتیں ہرگز نہ کریں، اس سے نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں۔
- مسجد کے اندر وضو کرنا، کلی کرنا وغیرہ مکروہ ہے۔ مسجدوں کے ساتھ متصل جگہ متعین ہو تو یہ جائز ہے، جیسا کہ رواج ہے۔
- مسجدوں میں خرید وفروخت نہ کریں اور نہ کاروباری معاملات طے کریں۔
- مسجدوں میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کرلیں، خواہ تھوڑی سی دیر کے لیے ٹھہرنا ہو۔
- کھانا، پینا اور سونا منع ہے، سوائے اعتکاف کرنے والے کے۔
- گم شدہ چیز کا مسجد میں اعلان نہ کریں۔
- صفوں میں جانے کے لیے لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگیں، جہاں جگہ ملے، وہیں بیٹھ جائیں۔
- دیوانوں اور چھوٹے نادان بچوں کو جو مسجد کے آداب کا خیال نہ رکھ سکیں، ساتھ نہ لائیں۔
- مسجد میں اپنے لیے نماز کی جگہ معین نہ کریں اور جگہ کے لیے ایک دوسرے سے ضد اور جھگڑا نہ کریں۔
- مساجد میں صفائی کا خوب اہتمام رکھیں بلکہ اس کے گرد و پیش میں بھی کوڑے کے ڈھیر یا ناگوار ماحول نہ ہو۔ مسجد میں مکڑیوں کے جالے اور پرندوں کے گھونسلے نہ ہوں، گرد وغبار سے صاف اور خوش بودار ماحول پیدا کریں۔
- مساجد میں چیخ وپکار اور شور وغل نہ کریں۔ حدیث پاک میں یہ چیز قیامت کی نشانیوں میں سے بتائی گئی ہے اور مسجد کے احترام کے خلاف ہے۔
- مساجد میں لڑائی، جھگڑا یا لڑائی کی باتیں کر کے تقدس کو مجروح نہ کریں۔
- مساجد کا انتظام، اللہ سے ڈرنے والے، باشعور، نماز کے پابند، متقی اور پڑھے لکھے لوگوں کے سپرد ہونا چاہیے۔ اپنی خواہشات کی اتباع کرنے والے، جاہل، ضدی اور ذاتی و گروہی مفادات کی خاطر مساجد پر اجارہ داری قائم کرنے والے لوگوں کو مساجد کا منتظم نہ بنایا جائے۔
- امامت و خطابت کے لیے مستند عالم دین، تقویٰ شعار اور صاحب کردار شخصیت کا انتخاب کریں۔

[جاری ہے]



عورت اور نماز کی امامت

ڈاکٹر مفتی ضیاء الحبیب صابری

مسلم دنیا پر نکبت وادبار پہلی دفعہ نہیں آیا، آج سے پہلے بھی غیر مسلم عناصر مختلف پہلوؤں سے مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہوتے رہے ہیں۔ فکری انحطاط پیدا کرنے، عسکری قوت کو مفلوج کرنے، سازشی حربوں سے با اثر اور ''فکر ساز'' لوگوں کو خریدنے اور آلۂ کار بنا کر مسلمانوں میں انتشار وافتراق پیدا کر کے انہیں ہوا دینے سے موقع ملنے پر کبھی دریغ نہیں کیا۔ مشرق ومغرب میں مسلمانوں کی قوت ٹوٹنے کا بڑا باعث خود مسلمان حکمران اور ان کے زرخرید بندگانِ حرص وہوس تھے، جنھوں نے اسلام کے عظیم تر عالم گیر صلاح وفلاح کے پروگرام کو نقصان پہنچایا۔ مدنی محمدی شریعت کے مقابل خود ساختہ نظریات کو پروان چڑھایا، اسلام جو پوری اولادِ آدم کے لیے دین تھا، اسے اپنی فاسد اغراض کے حصول کی خاطر مصلحتوں کے خول میں بند کر دیا:

اک زندہ حقیقت میرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد

عجمی سلاطین نے قیصر وکسریٰ سے بدتر طرزِ زندگی کو شریعت کا نام دے کر لوگوں کو دین حق سے بے گانہ کیا، حق بات کہنے والوں پر زندگی عذاب بنا دی جاتی، کنگ وکلیسا کی طرح مسلمان

حکمرانوں نے بھی مذہب کی چھتری کے سائے میں لوگوں کے حقوق کا استیصال کیا، طبقۂ اجلافیہ کو ان کی کس مپرسی، تقدیر کا لکھا سمجھنے کے درس دیے جانے لگے، زندہ انسانی معاشرے کے مختلف کرداروں سے ان کے حقوق چھین لیے گئے اور یہ سب کچھ ''مذہب'' کے مقدس نام پر روا رکھا جاتا رہا، بلاشبہ اہل دین ایسے حالات میں خاموش نہیں رہے، مگر قوتِ اقتدار جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے عام شخص کو گمراہ کرنے میں کل بھی مؤثر تھی اور آج بھی یہ شیطانی کھیل کمال ڈھٹائی سے جاری ہے۔ امت کا طبقات میں منقسم ہو جانا بدترین سانحہ تھا جو خلافت راشدہ کا دور پورا ہوتے ہی گھمبیر شکل میں سامنے آیا۔ اسی طبقاتی تقسیم نے انسانوں کی غیر دینی، غیر اخلاقی طور سے صنفی بنیاد پر تقسیم تھی، جس کے نتیجے میں مرد و عورت میں دورِ جاہلیت کا برتری و کم تری کا تصور پھر سے پنپنے لگا، جسے نبی آخر الزماں ﷺ نے وحی الٰہی اور حکمت نبوت سے باطل کر دیا تھا، مگر سلاطین و ملوک نے اسلام کی سادہ، واضح اور دوٹوک ہدایات کو روایت سازی کے عمل سے محدود اور معدوم کر دیا:

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی دُرج کا دُرِ مکنوں
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی، لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

بنتِ حوا کے بارے میں بھی کھلی ہدایات کے باوجود نام نہاد اشرافیہ نے ایسے تصورات کو جنم دیا کہ روحِ دین سے آشنا کوئی بھی شخص ایسی چیزیں دیکھ کر تلملا اٹھا۔ اس سے حصولِ تعلیم کا حق چھین کر ظلِ الٰہیوں (نعوذ باللہ) کے حاشیہ نشین قبائلی بربریت کے پیکر سرداروں کی سرداری کو دوام بخشا گیا، دین حق نے جو مقام و مرتبہ بنت حوا کو دیا، وہ فکر آخرت سے بے گانہ آدم زادوں نے چھین لیا اور بنت حوا پھر بے سہارا ہو کر بھٹک گئی۔ طاغوت نے اپنا جال پھیلایا اور قدرت کے حسین شاہ کار ''عورت'' کو بہلا پھسلا کر آدم زاد سے انتقام کے نعرے کے شور میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے بدظن کر دیا اور پھر بڑھتے بڑھتے ''الٰہی اقدار'' کی تضحیک و تکذیب کی حدیں پھلانگنے لگی۔

صہیونی جو اپنے شیطانی سحر کے ذریعے مسلم حکمرانوں کے ذہنوں اور دماغوں کو مکمل طور پر اپنے قابو میں لا چکا ہے، جس کی وجہ سے یہ بے چارے اب مسلم دشمن قوتوں کے آلۂ کار بن چکے ہیں اور صہیونیت کے ہر ابلیسی مطالبے کے آگے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہیں، دینی تقاضوں، الٰہی احکامات اور تعلیماتِ نبوت میں ان کی مطلوبہ تبدیلیاں اور ترامیم کرنے جا رہے ہیں، کچھ ابلیسی

دانش کے علم برداران بھی ان مسلم دشمن قوتوں کے کارندے بن چکے ہیں جو مغرب میں بیٹھ کر نت نئی اختراعات اور ہفوات کے ذریعے مسلمانوں کی دل آزاری اور ذہنی وفکری الجھنوں کا سبب بن رہے ہیں، بالعموم یورپی اور بالخصوص امریکی نام نہاد دانش ور اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف وقتاً فوقتاً ہرزہ سرائی کرتے اور مختلف طریقوں سے توہین رسول کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں، ان سے گلہ بے معنی ہے کیوں کہ جو اپنے نبی کو جسے وہ خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں، اس کی تذلیل وتحقیر سے گریز نہیں کرتے، وہ ہمارے ساتھ کیا بے ہودگی نہ کریں گے۔ یہودیت ایک نسل اور خاندان ہے، جس کی ایک مذہبی حیثیت بھی ہے۔ خاندانی مذہب ہونے کے باوجود یہودی اپنی اصل کتاب "تورات" میں بے تحاشا من پسند تحریفات کے باوجود مطمئن نہ ہوئے تو تورات سے ناتا توڑ کر اس کے متبادل "تالمود" وضع کر ڈالی، جس میں انہوں نے دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے انتہائی مکروہ، بے ہودہ اور شرم ناک منصوبہ بندی کی اور یوں وہ دین موسوی سے بغاوت کر کے تالمود کے ابلیسی پروگرام پر چل پڑے۔ اسی طرح عیسائیوں کا بھی جب انجیل مقدس سے جی بھر گیا تو اناجیل اربعہ کی شکل میں خود ساختہ کلامِ خدا وضع کر لیا گیا اور اب ابلیسی ذہن تحریف کے ساتھ ساتھ پادری کو خدائی درجہ پر فائز کر چکا ہے، جب کنگ وکلیسا گٹھ جوڑ نے خلقِ خدا کی زندگیاں اجیرن کر دیں تو بالآخر عوام نے مذہب کا جوا گردنوں سے اتار پھینکا، مگر مت بھولنا کہ یہ کام صرف اس لیے ہوا کہ یہودیت اور عیسائیت کی مذہبی حیثیت ایک چلے ہوئے کارتوس سے زیادہ کچھ نہ تھی، جو صرف اور صرف سفلی عملیات، جادوٹونہ اور بے جا رسومات پر مبنی تھا اور آج تک انہی سہاروں کے بل بوتے پر جاری ہیں۔ رہی سہی کسر مذہب سے نکلنے کے بعد اخلاقیات کو بھی دفن کر کے نکال دی۔

پوری دنیا میں اپنی اصلی صورت میں صرف اور صرف قرآن مجید ہے اور ملت اسلامیہ کے لیے یہ بجا طور پر باعث فخر بھی ہے۔ ابلیسی منصوبہ ساز آج اس نشانِ عظمت کو بدلنے پر مختلف ہتھکنڈے بروئے کار لا کر اس کی تعلیمات کو خاکم بدھن زوال آشنا کرنا چاہتے ہیں۔ قرآنی پیغام شرم وحیا، عفت وعصمت کے تحفظ کا پیغام ہے اور اس ملت بیضا میں فحاشی پھیلانے کے خواہش مند بدنصیبوں کو اللہ پاک دنیا وآخرت میں عذابِ الیم کی خبر دیتا ہے [سورۂ نور:19] اور مسلمان خواتین کو بگڑے ہوئے حالات میں بھی گھروں سے نکلنے یا نکالے جانے کی سختی سے ممانعت کرتا ہے [سورۃ طلاق:1] اختلاط مرد وزن تو دور کی بات ہے قرآن مجید تو عورتوں سے کسی استعمال کی چیز طلب کرنے کے لیے "پس حجاب" کی قید لگاتا ہے [سورۃ احزاب:53] قرآن مجید کے قائم کردہ معاشرے میں عورت کے تقدس کو انتہائی اہمیت دی گئی ہے، اسے کھلونا نہیں معاشرے کی مربی، انسانیت ساز اور

اخلاقی اقدار کی محافظ قرار دیا گیا ہے۔ ابلیسی تصورِ آزادی نے اسی مقدس ہستی، عورت کو پستی کی انتہا تک پہنچا دیا ہے اور کتنی بھولی ہے عورت، جو کمال سادگی سے عیار ابلیس کی سازش کا بخوشی شکار ہو رہی ہے اور سمجھ بیٹھی ہے کہ اس کی ترقی اور فلاح کا یہی راستہ ہے:

اگر پندے ز درویشے پذیری
ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

ابلیس انداز بدل بدل کر فریب دیتا ہے، کبھی مال کا لالچ دے کر، کبھی دنیوی تعیشات کو مزین کر کے دکھا کر، کبھی اقتدار کی کرسی دکھا کر، کبھی خواہشات کے خوابوں کی تعبیر دکھا کر، کبھی یہ بہروپیا مذہبی لبادہ اوڑھ کر دھوکہ دیتا ہے اور انسانوں کو ان کے خبیث کرتوت "مزین" کر کے دکھاتا ہے اور غلط کار، بدکار ہوتے دیر نہیں لگاتا [الانعام: 43,137 / الانفال: 48 / النحل: 63 / النمل: 24 / العنکبوت: 38]

تازہ ترین فتنہ

تازہ ترین واردات میں بدنام زمانہ گستاخ رُشدی کی رشتہ دار جو کسی امریکی اخبار کی معمولی درجے کی رپورٹر ہے، خود کو نامور مسلمان علامہ شبلی نعمانی کی پوتی بتاتی ہے اور ایک حرامی بچے کی ماں ہونے کے علاوہ معاشرے کو "بے لباس" کرنے کی عملی کوششیں بھی کر چکی ہے، غرضے کہ ممکن حد تک ہر قسم کی خرافات سے گزر چکی ہے، اس "حیاباختہ" ننگ شرافت نے اپنی ہم خیال سیاہ فام (جو امریکی ریاست ورجینیا کے شہر نیویارک کی کامن ویلتھ یونی ورسٹی میں پڑھاتی ہے، اپنے یہودی دوستوں اور دیگر شرم وحیا سے عاری بے لگام عناصر کی ملی بھگت سے) ایک گرجا گھر میں نماز جمعہ پڑھانے پر تیار کی، جس کی اقتدا میں اسی قماش کے ننگ دین، ننگ شرافت وانسانیت، اولادِ آدم کی دونوں اصناف نے نمازِ جمعہ کے نام پر دینی، اخلاقی وروحانی اقدار کی دھجیاں بکھیر دیں۔ خدائے لم یزل کا حلم بلاشبہہ بہت ارفع واعلیٰ اور وسعت عظیم رکھتا ہے کہ اپنے دین مبین کی تذلیل وتحقیر کو دیکھا اور اس کے باوجود اس کی شانِ حلیمی کمال پر تھی (مجھے اس ڈرامہ نما فتنے کے کرداروں کے لیے لفظ "عورت" یا "خاتون" کا استعمال ان الفاظ کا معنوی تقدس مانع ہے اور میں ان کے لیے کوئی موزوں عنوان طے نہیں کر سکا) اس فتنے کے پس پشت اولادِ آدم کو دین ومذہب، شرافت ودیانت، حسن فکر وعمل جیسے اعلیٰ اوصاف سے محروم کرنا ہے، یہ فتنہ پوری منصوبہ بندی سے میڈیا کے لیے تیار کیا گیا، جسے پوری دنیائے کفر اور خود مختلف پاکستانی ٹی وی چینلز اس کی فلم روزانہ بار بار دکھا رہے ہیں۔ ان حالات میں دردمند، مخلص وصاحب ایمان مسلمان کا پریشان ہونا فطری تقاضا ہے، اسی

حوالے سے مضمون میں اس فتنے کے تین اجزاء (1) عورت بطور امام نماز، (2) مردوں، عورتوں کی شانہ بشانہ صف بندی اور نماز، (3) گرجا گھر میں مسلمان کی نماز

قارئین! سب سے پہلے یہ بنیادی بات ذہن میں رکھیں کہ عورت پر نمازِ جمعہ فرض ہی نہیں اور نہ ہی نمازِ عیدین واجب ہیں، پھر یہ سب کچھ ایک فتنہ نہیں تو اور کیا ہے؟ بہر حال مندرجہ بالا تینوں اجزاء پر ترتیب وار روشنی ڈالی گئی ہے۔

1......عورت امام بن سکتی ہے یا نہیں؟ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ عورت، عورتوں کی امامِ نماز بنے تو بلاشبہ یہ جائز ہے، بشرطیکہ امامت کرنے والی عورت، مقتدی عورتوں کی صف میں کھڑی ہو، مرد امام کی طرح مقتدیوں کے آگے جائے نماز پر تنہا نہ کھڑی ہو، بلکہ جس طرح اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ اور بعض دیگر صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن، امامِ نماز بنتیں تو مقتدی خواتین میں صف کے درمیان کھڑی ہوتی تھیں جیسا کہ کتب صحاح وغیرہم میں روایات موجود ہیں۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں:

عن امراۃ من قومہ اسمھا حجیرۃ قالت اَمّتنا اُمّ سلمۃ قائمۃ وسط النساء......

عن اُمّ الحسن انھا رأت اُمّ سلمۃ زوج النبی ﷺ تؤم النساء تقوم معھنّ فی صفھنّ......

عن عائشۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنھا کانت تؤم النساء تقوم معھنّ فی الصّف......[مصنف ابن ابی شیبہ، جلد2، صفحہ 88,89]

ان تمام مرویات سے واضح ہو رہا ہے کہ امّ المؤمنین امّ سلمہ اور امّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن عورتوں کی امامت میں ان کے ساتھ صف میں کھڑی ہوتی تھیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عورت امام نماز بنے اور صرف مرد یا مرد و خواتین اس کی اقتدا میں نماز (فرض، واجب، نفل) ادا کریں تو یہ نماز باطل و فاسد ہوگی، جس کی نظیر ادلّہ شرعیہ میں نہیں ہے۔ بلکہ السنن الکبریٰ للبیہقی، جلد ثالث، صفحہ 90 پر حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

سمعتُ رسول اللّٰہِ ﷺ علیٰ منبرہٖ یقول فذکر الحدیث و فیہ اَلا وَ لا تَؤُمَّنَ اِمْرَأَۃٌ رجلاً---

''رسول اللہ ﷺ نے اپنے منبر پر گفتگو فرماتے ہوئے عورت کی اقتدا میں مردوں کو نماز پڑھنے سے منع فرمایا''---

اسی طرح ہے:

و لا یجوز للرجال أن یقتدوا بامراۃ لقولہ علیہ السلام اَخِّرُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ

اَخِّرُوْھُنَّ اللّٰہُ---

[الفقہ النافع، جلد1، صفحہ 219 / ردّ المحتار، جلد1، صفحہ 565 / ہدایہ، جلد1، صفحہ 111 / قدوری، صفحہ 40]

بلکہ شامی میں یہ بھی ہے کہ:

اذا استخلفھا الامام و خلفہ رجال و نساء فتفسد صلٰوۃ الکل---[شامی، جلد۱، صفحہ ۵۶۵]

"اگر کوئی امام (حدث وغیرہ کی وجہ سے) عورت کو خلیفہ کردے تو اس کی اقتدا میں پڑھنے والے تمام مردوں اور عورتوں کی نماز فاسد ہو جائے گی"---

2......اسلام نے حیا کو ایمان قرار دیا ہے، شرم و حیا کا معیار نبی رحمت ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کی زندگیاں ہیں:

﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ﴾---[الاحزاب:21]

الٰہی شہادت ہے۔آپ ﷺ کے عہد مبارک میں نماز پنج گانہ ادا کیے جانے کی جو تفصیلات کتب احادیث میں موجود ہیں، ان کی رو سے حضور نبی اکرم ﷺ نے صف بندی کے لیے دوٹوک ہدایات فرمادی تھیں اور یہاں تک کہ فرمایا:

خیر صفوف الرجال اولھا و شرھا آخرھا و خیر صفوف النساء آخرھا و شرھا اولھا---[السنن الکبریٰ للبیہقی، جلد3، صفحہ 97 / سنن نسائی، صفحہ 94]

مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے اور بدترین صف ان کی آخری جب کہ عورتوں کی بہترین ان کی آخری صف ہے اور بدترین پہلی صف ہے۔ صف بندی کی ترتیب سے متعلق رسالت مآب ﷺ کی تعلیم ملاحظہ ہو:

عن انس رضی اللہ عنہ أن النبیّ ﷺ صلّی بھم و امرأۃ من اھلہ فجعل اَنساً عن یمینہٖ و المرأۃ خلفہٗ---[مصنف ابن ابی شیبہ، جلد2، صفحہ 88]

عن ثابت قال صلیت مع انس فقمت عن یمینہٖ و قامت اُم ولدہٖ خلفنا---[ایضاً]

عن ھشام قال جئتُ الیٰ عروۃ و ھو یصلی و خلفہٗ اِمرأۃ فاقامنی عن یمینہٖ و المرأۃ خلفہٗ---[ایضاً]

عن انس ابن مالک اَنَّ جَدَّتَہٗ اُمَّ سُلَیْمٍ دعتْ رسولَ اللّٰہ ﷺ لطعام فاکلَ ثم قال قوموا فلنصل بکم قال انس فقمتُ الیٰ حصیرٍ لَنا قدِ اسوَدَّ من طول ما لُبِس فَنضحتُہ بماءٍ فقامَ علیہ رسول اللّٰہ ﷺ قال فَصففتُ

انا و الیتیمُ ورآءہٗ و العجوزُ وَرَاءَ نا فصلّی بنا رکعتین ثم الصرف---

[موطا امام محمد، صفحہ 98 / بدائع الصنائع، جلد1، صفحہ 158 / السنن الکبریٰ للبیہقی، جلد3، صفحہ 97]

مزید دیکھیے:

عن ابی مالک الاشعری قال کان النبی ﷺ یلیہ فی الصلوٰۃ الرجال ثم الصبیان ثم النساء---[السنن الکبریٰ للبیہقی، جلد3، صفحہ 97]

عن انس بن مالک ان رسول اللّٰہ ﷺ اَمَّہٗ و امرأۃ منہم فجعلہ عن یمینہٖ و المرأۃ خلفہما---[ایضاً، صفحہ 95]

و من صلّٰی مع واحد اقامہ عن یمینہ کما اقام (رسول اللّٰہ ﷺ) عبد اللّٰہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما حین صلّٰی معہٗ و ان کان اثنین تقدم علیہما کما صلی النبی ﷺ بانس و یتیم فقاما خلفہٗ و أم سلیم وراء ھما ---[الفقہ النافع، جلد1، صفحہ 217، از ناصر الدین ابو القاسم محمد بن یوسف الحسنی السمرقندی، متوفی 556ھ]

و ان صلّی خلفہ امرأۃ جازت صلاتہٗ لحدیث انس رضی اللہ عنہ أن جدّتہٗ ملیکۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا دعت رسول اللّٰہ ﷺ الیٰ طعام فقال قوموا لاُصلّی بکم فاقامنی و الیتیم (ھو أخ انس لابیہ اسمہ عمیر بن مالک) من ورآئہٖ و امی ام سلیم ورآنا---

[المبسوط للسرخسی، جلد1، صفحہ 43 / فتاویٰ نوریہ، جلد1، صفحہ 359 / ترمذی، جلد1، صفحہ 55]

عن ابن عباس أن النبی ﷺ صلّٰی برجل خلفہ و امرأۃ خلف ذلک صلّٰی بھم جماعۃ---[مسند امام اعظم، صفحہ 171 / جامع المسانید، صفحہ 439]

و لو کان مع الامام رجل و امرأۃ قام الرجل بجنب الامام و المرأۃ خلفہٗ---[فتاویٰ النوازل، صفحہ 48، فقیہ ابو اللیث سمرقندی، متوفی 373ھ]

ان تمام روایات سے صاف طور پر سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور تعامل صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین صف بندی میں پہلے مرد اس کے بعد خواتین، اگر مقتدی ایک مرد اور ایک عورت یا متعدد عورتیں ہوں تو ایک اکیلا مقتدی اپنے مرد امام کے دائیں طرف تقریباً برابر کھڑا ہوگا اور عورتیں ان کے بعد والی صف میں کھڑی ہوں گی۔ اب ملک العلماء امام علاؤ الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی متوفی 587ھ اور امام ابو الحسن بن احمد بن محمد بن جعفر البغدادی المعروف بالقدوری متوفی 428ھ کی زبانی صفوں کی ترتیب سنیے، وہ فرماتے ہیں:

وَ لَو اجتمع الرجالُ و النسآءُ و الصبیانُ و الخنالی و الصبیات المراھقات فارادوا أن یصطفوا للجماعة یقوم الرجال صفاً مما یلی الامام ثم الصبیانُ بعدھم ثم الخنالی ثم الاناث ثم الصبیات المراھقات---[بدائع الصنائع، جلد1، صفحہ 189 / قدوری، صفحہ 40]

''اگر مردوں، عورتوں، بچوں، خسروں اور قریب البلوغ لڑکیوں میں نماز کے لیے صف بندی کرنی ہو تو امام کے قریب صف میں مرد کھڑے ہوں، پھر ان کے بعد بچے، پھر خسرے، پھر عورتیں اور پھر قریب البلوغ لڑکیاں کھڑی ہوں''---

اس سے صف بندی کا قدیمی اسلامی طور طریقہ معلوم ہوا، اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ نے خواتین کو جو عزت و حرمت بخشی ہے، اس کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خواتین، مرد امام کی اقتدا میں نماز ادا کر رہی ہوں اور امام کو کسی غلطی سے آگاہ کرنا ہو تو سبحان اللہ کی تسبیح پکارنے کی بجائے وہ ہاتھ کی پشت پر دوسرا ہاتھ مار کر امام کو متنبہ کریں۔ دین مبین کی حیا پرور ہدایات و تعلیمات کے برعکس جو راہ اختیار کی جائے گی وہ سرکشی، بغاوت اور طغیان ہے۔

مرد اور خواتین ایک ہی صف میں:

مرد اور عورتیں اگر ایک ہی صف میں برابر برابر مخلوط کھڑے ہوں، مسلمان معاشرے کے بانی ہادئ برحق ﷺ نے اس کی کوئی گنجائش نہیں رکھی، بلکہ شروع شروع میں صحابہ اور صحابیات سبھی نماز کے لیے مسجد نبوی میں حاضر ہوتے، اس آمد و رفت میں خواتین و حضرات کے راستے خود نبی کریم ﷺ نے الگ کر دیے اور مسجد کا ایک دروازہ صرف خواتین کی آمد و رفت کے لیے خاص کر دیا، جس کے بعد کبھی کوئی مرد اس دروازہ ''باب النساء'' سے نہیں گزرا۔

عن ابن عمر (رضی اللہ عنہ) قال رسول اللہ ﷺ لو ترکنا ھذا الباب للنساء قال نافع فلم یدخل منه ابن عمر حتیٰ مات---[بذل المجہود، جلد3، صفحہ 303]

اور یہ احتیاط اور فرمانِ نبوی کی تعمیل عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں دیکھیے:

عن نافع قال ان عمر بن الخطاب کان ینھی أن یدخل من باب النساء---[ایضاً، صفحہ 305]

اسی بذل المجہود میں ہے:

اشارة الی الباب الذی خصه للنسآء الذی یسمّٰی ''باب النساء'' أی لو خصصنا ھذا الباب للنساء فلا یدخلھا اِلا النساء لکان أحسن لأنه اذا ذاک لا یکون الاختلاط بین الرجال للنساء---[جلد3، صفحہ 303]

''عورتوں کے لیے ایک دروازہ ''باب النساء'' کے نام سے خاص کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس دروازہ سے کوئی مرد نہ گزرے، یوں خوب صورت انداز سے مردوں اور عورتوں کے خلط ملط ہونے کا راستہ بند کر دیا''---

اسی سے ملتی جلتی بات ابوعبدالرحمٰن محمد شرف الحق عظیم آبادی نے فرمائی:

لکان خیرًا و احسن لئلا تختلط النساء بالرجال فی الدخول و الخروج من المسجد فیه دلیل ان النساء لا یختلطن فی المساجد مع الرجال بل یعتزلن فی جانب المسجد و یصلین هناک بالاقتداء مع الامام---[غایۃ المقصود، عون المعبود، جلد1، صفحہ 175]

''مسجد میں آتے جاتے ہوئے مردوں اور عورتوں میں اختلاط نہ ہو سکے یہ عمدہ و اعلیٰ تدبیر تھی جو باب النساء خاص کر دیا گیا تاکہ عورتیں مسجد میں ایک طرف مردوں سے الگ تھلگ اپنی جگہ پر مرد امام کی اقتدا میں نماز ادا کریں''---

فاذا قامت امرأة الیٰ جنب رجل و هما مشترکان فی صلوٰة واحدة تفسد صلوٰته---[الفقہ النافع، جلد1، صفحہ 220]

یہ تمام شواہد مردوں اور عورتوں کے مخلوط طور پر برابر (شانہ بشانہ) نماز ادا کرنے کی نفی کرتے ہیں، ہر عقل مند شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب خیر القرون میں اختلاط مرد و زن مسجد میں اور عین حالت نماز میں بھی جائز نہیں، تو عام زندگی میں حالیہ فحاشی کے سیلاب کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے۔ اور اگر ایسا ممکن ہوتا تو حضور نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات جو اہل ایمان کی قابلِ صد تکریم مائیں ہیں، آپ ﷺ کی دختران ذی مرتبت خصوصاً سیّدۃ نساء العالمین سیّدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا، مسجد میں مرد صحابہ کے پہلو بہ پہلو کھڑی ہوئی دکھائی دیتیں بلکہ وہ فضیلت مآب، سراپائے عفت و عصمت ہستیاں، مصلّائے امامت پر کھڑا ہونے کی زیادہ حق دار ہوتیں، مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ ان پاک و پاکیزہ نیک خصال قدسی صفات بیبیوں کے تو حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آیا کہ وہ مردوں کے اجتماع میں ان کے آگے امام نماز بن کر مصلّائے امامت پر براجمان ہوں۔ دین کی تشریح کے نام پر آج جس قسم کی ہرزہ سرائی کو روشن خیالی سے تعبیر کیا جا رہا ہے، وہ ابلیسی فریب کے سوا کچھ نہیں۔

3...... بدقسمتی دیکھیے کہ ابلیسی کھیل کھیلنے کے لیے چرچ کا انتخاب کیا گیا، ظاہر ہے مقصود نماز پڑھنا نہ تھا بلکہ ایک فتنہ بپا کرنا تھا، جسے پاکستانی میڈیا سمیت دنیا بھر کے طاغوتی نمائندوں نے کیمرے کی آنکھ سے فیتے پر محفوظ کر لیا اور پھر ساری دنیا کو یہ خباثت بار بار دکھائی گئی بلکہ دکھائی جا رہی ہے۔ چرچ میں نماز کے بارے میں اسلام کی تعلیم دیکھیے:

عن جابر ؓ ان النبی ﷺ امر عمر بن الخطاب ؓ زمن الفتح و هو بالبطحاء ان یأتی الکعبة فیمحو کل صورة فیها فلم یدخل النبی ﷺ حتٰی محیت کل صورة فیها---[سنن ابوداؤد، جلد2، صفحہ 216]

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ وادئ بطحاء میں تشریف فرما تھے اور حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ کعبہ میں بنی ساری تصویروں کو مٹا دیا جائے، جب تک تمام تصاویر مٹا نہیں دی گئیں حضور نبی کریم ﷺ کعبہ میں تشریف نہیں لائے"---

انہ ان کان فیها صُوَرٌ لم یصل فیها...... لأن النبی ﷺ لم یدخل الکعبة حتٰی محی ما فیها من الصُّور، و کذلک قال عمر (ؓ) انّا کنّا لا ندخل کنا سهم و الصُّور فیها---[مجموعۃ الفتاویٰ ابن تیمیہ، جلد22، صفحہ 101]

گرجا گھر ہو یا کوئی دوسری ایسی جگہ جہاں تصاویر ہوں، حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ نہیں جاتے تھے، چہ جائیکہ ایسی جگہ نماز ادا کی جائے۔ یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ گرجا گھروں میں سیّدنا عیسیٰؑ اور ان کی والدہ مقدسہ مریم علیہا السلام کی تصاویر ہوتی ہیں، بلکہ بعض گرجا گھروں میں ان ہستیوں کے مجسمے نصب ہیں، تو ایسی جگہ نماز کیسے ادا کی جا سکتی ہے۔ اگر کوئی خودساختہ "روشن خیالی" کے زیر اثر ایسا قدم اٹھا بھی لے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔

"روشن خیالی" کا ابلیسی مفہوم آخر مسلمانوں کی نسلی پود کے سروں پر بھوت بن کر کیوں سوار ہے، آخر دنیا میں دیگر اقوام بھی آباد ہیں، جس "رویّے" کو روشن خیالی کا نام دیا جا رہا ہے، اگر واقعی اس کا مقصد امن عالم ہے تو یہ روشن خیالی امریکیوں، یہودیوں، عیسائیوں، کمیونسٹوں اور ہندوؤں میں کیوں رواج نہیں پا رہی ہے، جس طرح ہماری اقدار کو ختم کرنے کے لیے روشن خیالی کے پُرفریب نعرے میں لپیٹ کر پاکستانیوں کو بھارت اور یورپی فحش کلچر کی گولی دی جا رہی ہے۔ کیا کسی ہندو، عیسائی، یہودی، روسی یا چینی دہریے نے بھی آپ کے کلچر، آپ کی ثقافت کو محض روشن خیالی کے جذبے کے تحت اختیار کیا! پوری دنیا میں ایسی ایک بھی مثال نہیں ملے گی۔ یہ ابلیسی فکر صرف اور صرف صیہونی سحر کے زیر اثر مسلمانوں کے حکمرانوں نے اپنا رکھی ہے، جس کا حاصل سوائے ذلت و رسوائی کے کچھ نہ ہوگا۔

تہذیب فرنگی سے اگر مرگِ اُمومت
ہے حضرت انسان کے لیے اس کا ثمر موت

وجہِ مغالطہ:

اردو خوان طبقہ یا فرنگی فکر کا پروردہ ذہن درج ذیل روایت سے دھوکے کا شکار ہو سکتا ہے، لہٰذا

اس کی وضاحت، تفہیم وتشریح ضروری ہے۔ پہلے روائت کی سند اور اس کا متن ملاحظہ فرمائیں:

حدثنا عثمان بن ابی شیبة ثنا وکیع بن الجراح ثنا الولید بن عبداللّٰه بن جمیع حدثتنی جدتی و عبد الرحمٰن بن خلاد الانصاری عن ام ورقة بنت نوفل ان النبی ﷺ لما غزا بدراً قالت قلت له یا رسول اللّٰه ﷺ ائذن لی فی الغزو معک اُمَرِّضُ مَرضَاکُم لعل اللّٰهُ ان یَرزُقَنِی شهادة قال قرّی فی بیتکِ فان اللّٰهَ عزّ و جل یرزقکِ الشهادة قال فکانت تسمّٰی الشهیدة قال و کانت قد قرأت القرآن فاستاذنت النبی ﷺ ان تتخذ فی دارها مؤذناً فاذّن لها قال و کانت دبّرت غلاماً لها و جاریة فقاما الیها باللیل فغماها بقطیفة لها حتّٰی ماتت و ذهبا فاصبح عمرُ فقام فی الناسِ فقال من کان عنده من هذین علمٌ او من راٰهما فلیجیٔ بهما فامر بهما فصُلّبا فکانا اولَ مصلوب بالمدینة---[سنن ابوداؤد، جلد1، صفحہ 87]

اسی سے ملحق یا اس حدیث کا تتمہ یہ روایت مع سند ملاحظہ فرمائیں:

حدثنا الحسن بن حماد الحضرمی ثنا محمد بن الفضیل عن الولید بن جمیع عن عبد الرحمٰن بن خلاد عن ام ورقة بنت عبد اللّٰه بن الحارث بهذا الحدیث و الاولُ اتم قال و کان رسول اللّٰه ﷺ یزورها فی بیتها و جعل لها مؤذناً یؤذّن لها و امرها ان تؤمّ اهل دارها قال عبدالرحمٰن فانا رأیت مؤذنها شیخا کبیراً---[ایضاً]

ان دونوں عبارتوں میں ''اُمّ ورقہ'' ایک صحابیہ خاتون کا ذکر ہے، جس نے غزوۂ بدر میں مریضوں اور زخمیوں کی تیمارداری کرنے کے لیے حضور نبی کریم ﷺ سے اجازت طلب کی کہ شاید وہاں مجھے شرف شہادت نصیب ہو جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا، تم اپنے گھر ہی میں رہو، اللہ تعالیٰ تمہیں درجۂ شہادت عطا فرمائے گا۔ چنانچہ اس خاتون کا نام ہی شہیدہ پڑ گیا، جسے اس کے ایک بد بر غلام اور کنیز نے گلا گھونٹ کر قتل کر دیا اور ان دونوں قاتلوں کو پھانسی دی گئی۔ اس خاتون نے آپ ﷺ سے اپنے گھر والوں کے لیے مؤذن کی اجازت طلب کی، جسے آپ ﷺ نے قبول فرما کر اس خاتون امّ ورقہ کو فرمایا کہ تم نماز میں اپنے گھر والوں کی امامت کیا کرو۔ راوی کہتے ہیں، میں نے اس مؤذن کو دیکھا تھا، وہ بہت بوڑھا نحیف شخص تھا۔

اس پوری روایت میں کہیں ذکر نہیں کہ امّ ورقہ کی اقتداء میں مرد بھی نماز پڑھتے تھے۔ جس

کسی نے عورت کی امامت کا اس سے استدلال کیا ہے اس نے دینی مزاج کو سمجھا ہی نہیں، اگر بالفرض کوئی قرینہ پایا بھی جائے تو امورِ نماز میں صف بندی سے متعلق کثیر تعداد میں روایات کی موجودگی میں (جن سے ائمہ دین، فقہائے کرام نے احتجاج واستدلال فرما کر عورت کی امامت کی نماز سے انکار کیا ہے) امّ ورقہ کی امامتِ نماز کی اجازت کو حضور نبی کریم ﷺ کی خصوصیات میں سے تصور کیا جائے گا، جو فقط ان کی ذات تک محدود ہوگی۔ جس طرح ایک صحابی کو بکری کے چھ ماہ کے بچے کی قربانی دینے کی اجازت عطا فرمائی یا حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی انفرادی گواہی کو دو مردوں کے برابر قرار دے دیا، ایسے ہی سیّدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی موجودگی میں دوسری بیوی کرنے سے حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو منع فرمایا، سیّدنا مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو حالت جنابت میں مسجد میں آنے کی اجازت دی اور اسی طرح کے بے شمار شواہد موجود ہیں، جن سے آپ ﷺ نے بعض ممنوعات کو مباح فرمادیا اور کسی کو جائز ومباح سے منع فرمادیا۔

امّ ورقہ والی روائت سے عورت کی امامت کے جواز کا مزعومہ استشہاد تو متن سے ثابت نہیں اور سند کا حال یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن خلاد کو ابن حجر مجہول الحال بتاتے ہیں۔ ولید بن عبداللہ سے ابوحاتم روایت لینے کے باوجود لائق استدلال نہیں قرار دیتے۔ خود امّ ورقہ کو ایک روایت میں بنت نوفل اور دوسری میں بنت عبداللہ نقل کیا گیا ہے۔ جدّتی سے لیلیٰ بنت مالک مراد لی گئی ہے اور بعض نے ورقہ بنت عبداللہ (امّ ورقہ نہیں) بن حارث بن عویمر انصاریہ مراد لی ہیں۔ جس روایت کی سند کا یہ حال ہو اس سے اتنا بڑا مسئلہ ثابت کرنا اصولِ حدیث سے بے خبری کے سوا کیا ہے۔

حاصلِ تحریر یہ کہ عورت، عورتوں کی امام نماز ہو سکتی ہے جب کہ وہ عورتوں کے ساتھ ہی صف میں کھڑی ہو، کوئی بالغ مرد، کسی عورت کی اقتدا میں کوئی بھی نماز ادا نہیں کرسکتا۔ مردوں اور عورتوں کی ایسی مخلوط صف بندی کہ وہ شانہ بشانہ ایک ہی صف میں کھڑے ہوں تو وہ نماز نہیں ہوگی۔ یہودیوں، عیسائیوں، ہندوؤں کی عبادت گاہوں میں چونکہ مجسمے اور تصاویر ہوتی ہیں، اس لیے ان تصاویر وغیرہ کی موجودگی میں مرد یا عورت کی نماز باجماعت یا فرادیٰ جائز نہیں۔ نیویارک میں شروع کیا گیا یہ فتنہ نت نئے فتنوں کے ابھرنے کا پیش خیمہ ہے، اب نمازِ جمعہ بحالت اختلاط مرد وزن پڑھی گئی، آئندہ نماز عید ہوگی اور پھر نماز عید کے بعد:

عید کا دن ہے گلے ہم کو لگا کر ملیے
رسم دنیا بھی ہے، موقع بھی ہے، دستور بھی ہے

﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ﴾

✿✿✿✿✿

حی علی الصلوٰۃ
اڑتیسویں قسط

متفرق مسائل نماز

پروفیسر خلیل احمد نوری

قبولیت دعا کے خاص اوقات و مقامات

۱ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سے وقت کی دعا سب سے بڑھ کر قبول ہوتی ہے؟ فرمایا، پچھلی رات کی اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا۔[ترمذی]

۲ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"جمعہ کے روز ایک ایسی گھڑی ہے کہ جو کوئی مسلمان بندہ اس میں کسی اچھی چیز کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتا ہے"---[متفق علیہ]

یہ گھڑی عصر سے غروب آفتاب تک کی ہے یا پھر خطیب جب خطبہ کے لیے بیٹھتا ہے، اس وقت سے لے کر اختتام نماز جمعہ تک۔

۳ نویں ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں حاجی کی دعا بھی حدیث پاک کے مطابق سب سے بہتر دعا ہے، یعنی قبول ہوتی ہے۔[ترمذی]

۴ مکہ مکرمہ میں طواف کے وقت، ملتزم پر، میزاب رحمت کے نیچے، حطیم کعبہ میں،

زمزم شریف کے کنویں پر، صفا و مروہ پر اور صفا و مروہ کے درمیان، رمی کے وقت، مقام ابراہیم کے پاس، عرفات، مزدلفہ، منیٰ اور جمرات کے قریب، یہ سب قبولیت کے مقامات ہیں۔

۵ حدیث پاک میں ہے کہ اذان اور جہاد کے وقت دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔[ابوداؤد]

۶ رمضان المبارک کی مقدس و معظم ساعتوں میں کی ہوئی دعاؤں کی قبولیت میں کوئی نہیں شک ہوسکتا۔ کیوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''اس ماہ مبارک میں دعا قبول ہوتی ہے''---[طبرانی]

۷ اللہ تعالیٰ کے مقدس ناموں کے واسطے سے دعا کی قبولیت لازم ہے۔

۸ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء و صالحین کے وسیلے سے کی ہوئی دعا بھی بہت مقبول ہوتی ہے۔

۹ نبی اکرم ﷺ کے روضۂ انور اور اولیاء و صالحین کے مزارات کے قریب کی ہوئی دعاؤں کو بھی جلد قبولیت حاصل ہوتی ہے۔

چند دعائیں

حضور ﷺ نمازوں کے بعد مختلف دعائیں مانگا کرتے تھے۔ یہ دعائیں زیادہ فضیلت والی آسان اور جامع ہیں۔

۱ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَاالْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ---

''اے اللہ تو ہی سلامتی دینے والا ہے اور تیری جانب سے ہی سلامتی نصیب ہوتی ہے۔ تو بڑی برکت والا ہے، اے عظمت و جلال کے مالک اور اکرام و احسان والے''---

۲ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَ شُکْرِکَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِکَ---

''اے اللہ! تو اپنے ذکر کرنے، اپنا شکر کرنے اور اچھی عبادت کرنے میں میری مدد فرما''---

۳ ﴿رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝﴾---

''اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا فرما اور دوزخ کی آگ سے بچائے رکھ''---

۴ ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ

الْخٰسِرِیْنَ۝﴾---

''اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہماری بخشش نہ کی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے''---

صبح و شام کے وظائف

گزشتہ صفحات میں، آپ نے نماز کا بیان پڑھا، اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سب سے بڑا حق نماز ہی ہے۔ اس لیے اسے ہر حال میں خوب صورت طریقے سے ادا کریں۔ اس کے علاوہ دیگر فرائض کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق پورا کرتے رہیں۔ نیت میں اخلاص پیدا کریں، حرام اشیاء سے بچیں، ذہن کو پاکیزہ رکھیں، فضول کاموں اور بے مقصد باتوں سے پرہیز کریں، اپنے علم میں اضافہ کرتے رہیں اور صبح و شام استغفار کیا کریں۔ ان باتوں کے علاوہ درج ذیل دعائیں اور وظائف یاد کر لیں، ان کا تلفظ کسی عالم دین سے سیکھ لیں اور ان کا مفہوم ذہن نشین کر لیں، دنیا اور آخرت میں کامیابی کے لیے یہ وظائف اکسیر ہیں، بلکہ طویل وظیفوں اور چلوں پر بھاری ہیں، مگر یاد رہے کہ پاکیزہ زندگی اور صالحیت اختیار کرنا سب سے بڑا وظیفہ ہے۔

✿ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بات غمگین کرتی تو آپ ان کلمات کے ساتھ دعا مانگا کرتے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اس دعا میں لفظ ''حی'' اور ''قیوم'' اسم اعظم ہیں۔

﴿یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ﴾---[مشکوٰۃ]

''اے ہمیشہ زندہ رہنے والے، اے قائم رکھنے والے! تیری رحمت سے مدد مانگتا ہوں''---

✿ حضرت ابان بن عثمان سے روایت ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی صبح و شام اور رات کے وقت یہ کلمات تین بار پڑھ لیا کرے، اسے کوئی چیز نقصان نہیں دے سکتی۔ دوسری روایت میں ہے کہ جس نے ان کلمات کو صبح پڑھ لیا، وہ صبح کے وقت کسی اچانک آنے والی آفت سے بچا رہے گا، بہت مفید کلمات ہیں:

﴿بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَاءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾---[ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ]

''میں نے، اس ذات کے نام سے صبح و شام کی جس کے نام کی برکت سے، نہ زمین

کی کوئی چیز نقصان پہنچا سکتی ہے اور نہ آسمان کی، اور وہ سننے والا، جاننے والا ہے"---

حضرت ابو عیاش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص صبح کے وقت یہ کلمات پڑھ لے، اسے اولادِ اسماعیل میں سے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا، اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی، اس کے دس گناہ معاف ہوں گے، دس درجے بلند ہوں گے اور شام تک شیطان سے اس کی حفاظت ہوگی اور اگر یہی کلمات شام کو بھی کہہ لے تو یہی فوائد حاصل ہوں گے:

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ، لَا شَرِیْکَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْکُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾---[ابوداؤد، ابن ماجہ]

"اکیلے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا ملک ہے، اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے"---

حضرت حارث بن مسلم تمیمی بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رازدارانہ طریقے سے فرمایا کہ اگر تم نمازِ مغرب سے فارغ ہو کر کسی کے ساتھ بات کرنے سے پہلے، سات بار یہ کلمات پڑھ لو اور تم اس رات وفات پا گئے تو دوزخ کے اوپر سے گزر جانے کا تمہیں اجازت نامہ مل جائے گا، اسی طرح نمازِ فجر کے بعد پڑھ لو تو یہی فائدہ حاصل ہوگا"۔ دعا یہ ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ﴾---[ابوداؤد]

"اے میرے اللہ! مجھے دوزخ کی آگ سے بچا لے"---

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان بندہ، شام اور صبح تین بار یہ پڑھ لیا کرے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہوگا کہ قیامت کے دن اسے راضی فرما لے، کلمات یہ ہیں:

﴿رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا﴾---[مسند امام احمد، ترمذی]

"میں، اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے راضی ہوا"---

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اپنے بستر پر جاتے وقت تین بار یہ کلمات کہہ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا، اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں، اگرچہ صحرا کے ذروں کے برابر ہوں، اگرچہ درختوں کے پتوں کے برابر ہوں اور خواہ دنیا کے دنوں کے برابر ہوں، کلمات یہ ہیں:

﴿اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ﴾---[ترمذی]

''میں اس اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ اور قائم رکھنے والا ہے اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں''---

حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، جو شخص کسی کو مصیبت میں گرفتار دیکھے اور یہ کلمات کہہ لے تو وہ اس مصیبت میں مبتلا نہیں ہوگا، خواہ کیسی بھی مصیبت ہو، کلمات یہ ہیں:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا﴾---[ترمذی، ابن ماجہ]

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے اس آفت سے بچایا، جس میں تجھے مبتلا کیا اور اس نے مجھے بہت سی مخلوق پر فضیلت عطا کی''---

حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے پاس ایک شخص حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ میں غلامی سے آزادی حاصل کرنے کی غرض سے مال کا محتاج ہوں، میری مدد فرمایئے، فرمایا، کیا میں تجھے وہ کلمات نہ سکھادوں، جو مجھے حضور رسولِ اقدس ﷺ نے سکھائے کہ اگر تجھ پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے دور فرما دے گا۔ پھر آپ نے یہ کلمات سکھائے:

﴿اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَ اَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ﴾---[ترمذی، بیہقی]

''اے اللہ! مجھے اپنے حلال مال کے ذریعے، اپنے حرام سے تو کافی ہو جا اور مجھے اپنے سوا ہر کسی سے بے پرواہ کر دے''---

حضرت شداد بن اوس ؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے سید الاستغفار کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ جو آدمی یقین قلب کے ساتھ ان کلمات کو دن کے وقت پڑھ لے، پھر شام سے پہلے اگر اس کی وفات ہوئی تو وہ جنتیوں میں شمار ہوگا، جو شخص رات کو پڑھ لے اور صبح سے پہلے وفات پا گیا تو وہ جنتیوں میں اٹھایا جایا گا۔ سید الاستغفار یہ ہے:

﴿اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَ اَنَا عَبْدُکَ وَ اَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَ وَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ، اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ﴾---

''اے میرے اللہ! تو میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا، میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے ساتھ کیے ہوئے عہد و وعدہ پر قائم ہوں، جہاں تک میرے بس میں ہے۔ جو مجھ سے غلطیاں ہو چکیں، ان کے شر سے میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں، میں تیری نعمت کا اقرار و اعتراف کرتا ہوں، جو مجھ پر ہوئی اور اپنے گناہ کا بھی اقرار و اعتراف کرتا ہوں۔ پس تو مجھے بخش دے کیوں کہ تیرے سوا کوئی ایسا نہیں جو مجھے بخشے''---

✿ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، عرض کیا، یا رسول اللہ! کون سی دعا افضل ہے؟ فرمایا، اپنے رب سے امن و چین طلب کرو۔ دوسرے دن حاضر ہو کر پھر عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ! کون سی دعا سب سے بہتر ہے؟ حضور ﷺ نے پھر وہی بات ارشاد فرمائی۔ تیسرے روز پھر وہی سوال و جواب ہوا اور حضور ﷺ نے فرمایا، جب تجھے امن اور معافی دے دی جائے تم کامیاب ہو گئے۔ دعا یہ ہے:

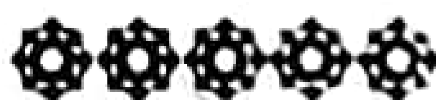
﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَ الْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ﴾---[ترمذی، ابن ماجہ]

''اے میرے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں معافی اور عافیت کا سوال کرتا ہوں''---

✿ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے غم اور قرض چمٹ گئے ہیں۔ فرمایا، کیا میں تمہیں ایسی دعا نہ بتاؤں کہ جب تم اسے پڑھ لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے غم مٹا دے اور تمہارا قرض اتار دے، عرض کیا، ہاں ضرور، فرمایا، روزانہ صبح و شام کے وقت یہ پڑھ لیا کرو۔ صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اسے پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے میرا غم مٹا دیا اور میرا قرضہ اتار دیا۔ دعا یہ ہے:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَ الْجُبْنِ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ غَلْبَةِ الدَّیْنِ وَ قَھْرِ الرِّجَالِ﴾---[مشکوٰۃ]

''الٰہی میں رنج و غم سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں اور عاجزی و سستی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور کنجوسی و بزدلی سے تیری پناہ لیتا ہے اور قرض کے چھا جانے اور لوگوں کے غالب آ جانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں''---



سُترہ اور بغیر سُترہ

نمازی کے آگے سے گزرنے کے مسائل

علامہ مفتی محمد رفیق حسنی

اکثر علماء کے نزدیک صحراء میں بغیر سُترہ نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرنا اس وقت مکروہ ہے، جب گزرنے والا نمازی کے قدموں اور سجدوں میں پیشانی زمین پر رکھنے کی جگہ کے درمیان سے گزرے۔

دوسرا قول فخر الاسلام کا ہے کہ جب نماز پڑھنے والا شخص حالتِ قیام میں خشوع کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر نظر رکھے، اس کی نظر جہاں تک احاطہ کرے، اس مقدار تک گزرنا منع ہے۔ خشوع کی حالت میں جب نظر سجدے کی جگہ پر ہوتی ہے، احتیاطاً اس کے قریب دو صف کی مقدار، مساوی آٹھ فٹ کے برابر آگے نظر پڑتی ہے، لٰہذا فخر الاسلام کے قول کے مطابق صحرا میں نمازی کے آگے سجدے کی جگہ سے باہر کی جانب تقریباً آٹھ فٹ انگریزی فاصلہ تک گزرنا ممنوع ہوگا اور آٹھ فٹ کے بعد گزرنے میں کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ یہ حکم صحرا کا ہے، مگر مسجد میں نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرنے کی کراہت کی بنیاد مسجد صغیر اور کبیر پر ہے۔ اگر مسجد کبیر ہے تو اس کا حکم بھی صحرا والا ہے۔ بڑی مسجد میں گزرنا مکروہ اس وقت ہوگا جب سجدے کی جگہ سے آٹھ فٹ کے اندر گزرنا ہو تو آٹھ فٹ کے بعد گزرنا مکروہ نہیں ہوگا۔ صغیر مسجد میں یا گھر کے کمرہ میں جمہور فقہاء کا قول یہ ہے کہ قبلہ کی دیوار تک نمازی کے آگے سے گزرنا ممنوع ہے۔

محقق ابن ہمام کے قول پر صغیر اور کبیر مسجد کا فرق اور مسجد اور گھر کا فرق صحیح نہیں ہے۔ مسجد کبیر ہو یا صغیر اور مسجد ہو یا گھر، ہر صورت میں نمازی کی سجدہ گاہ کے آٹھ فٹ تک سے گزرنا ممنوع ہے۔ اس کے بعد باہر کی جانب گزرنے میں کراہت نہیں ہے۔

موجودہ دور میں محقق ابن ہمام کے قول پر فتویٰ دینا چاہیے، کیوں کہ اس میں لوگوں کے لیے یسر اور آسانی ہے۔ نمازی کے آگے سے گزرنے اور مرور (واپس پلٹنے) کے مسئلہ میں مسجد کبیر اور صغیر میں فرق کے حوالے سے کتب فقہ میں دو قول مذکور ہیں:

1 مسجد کبیر اس مسجد کو کہا جاتا ہے، جو چالیس (۴۰) گز شرعی، مساوی ساٹھ (۶۰) فٹ یا اس سے زائد ہو، اس سے کم مقدار کی مسجد صغیر ہے۔

2 مسجد کبیر وہ مسجد ہے جو ساٹھ (۶۰) گز شرعی، مساوی تقریباً نوے (۹۰) فٹ قبلہ کی جانب طویل ہو یا اس سے زائد ہو اور مسجد صغیر وہ جو اس مقدار سے کم ہو۔

دونوں اقوال پر مسجد کبیر کا حکم صحرا والا ہے اور مسجد صغیر کے حکم میں دو قول ہیں۔ جس طرح ہم ذکر کر چکے ہیں یہ کہ اکثر علماء کے نزدیک صغیر مسجد میں قبلہ کی دیوار تک نمازی کے آگے گزرنا منع ہے اور محقق ابن ہمام کے نزدیک صغیر مسجد میں بھی سجدے کی جگہ سے تقریباً آٹھ فٹ کے فاصلے کے بعد گزرنا جائز ہے۔ موجودہ دور ۱۴۲۷ھ، بمطابق ۲۰۰۶ء میں بڑے شہروں میں نوے فیصد سے زائد مساجد، کبیر مسجد کی تعریف میں آتی ہیں، لہٰذا ان کا حکم صحرا والا ہوگا اور ان مساجد میں نماز پڑھنے والوں کے سامنے بغیر سُترہ سجدے کی جگہ سے تقریباً دو صف کی مقدار آگے کی جانب کے بعد گزرنے میں کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ بحمدہٖ تعالیٰ موجودہ دور میں نمازیوں کی کثرت اور ازدحام ہوتا ہے، خصوصاً جمعہ کی نماز اور رمضان المبارک کی نمازوں میں کوئی شخص آرہا ہے، کوئی جارہا ہے، کسی نے فوراً نماز کے بعد نکلنا ہے، مثلاً ائیرپورٹ (Airport) یا ہسپتال اور دفتر پہنچنا ہے اور کوئی شخص تاخیر سے پہنچ رہا ہے، کچھ لوگ مسبوق ہیں اور کچھ لوگ ابھی اپنی نمازیں شروع کر رہے ہیں، ایسی صورت میں پہلی صفوں کے لوگوں کو، جو نماز پڑھ چکے ہوتے ہیں یا کسی ضرورت کی وجہ سے انھیں مسجد سے فوراً نکلنا ہوتا ہے، انھیں مسبوقین یا بعد میں آنے والے بیسیوں لوگ یا آرام سے نماز پڑھنے والے سیکڑوں لوگوں کے سامنے گزرنا پڑتا ہے، اگر ایک کی انتظار کریں تو دوسرا نماز شروع کر دیتا ہے، لہٰذا گزرنے والوں کو نہایت مشقت اٹھانا پڑتی ہے اور ہر جگہ سُتروں کا اہتمام نہایت مشقت کا کام ہے، اس لیے جلدی جانے والے لوگوں کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر نماز پڑھنے والے

کے آگے نماز سے فارغ، اگلی صفوں میں لوگ فارغ بیٹھے ہوئے ہیں تو وہ فارغ لوگ نمازیوں کے لیے سُترہ ہیں، ان کے آگے گھوم کر نکلنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اگر نماز پڑھنے والے کے آگے فارغ آدمی یا ستون یا سُترہ نہیں ہے، تو نماز پڑھنے والے کی سجدہ گاہ سے گزرنا پڑ جائے تو بھی اس کی علماء نے چار صورتیں ذکر کی ہیں:

1) نماز پڑھنے والا ایسی جگہ ہو جو لوگوں کے لیے گزرگاہ نہ ہو اور آگے گزرنے والے کے لیے متبادل گزرگاہ موجود ہو، لیکن پھر بھی گزرنے والا نماز پڑھنے والے کی سجدہ گاہ سے گزرے تو اس صورت میں صرف گزرنے والا گناہ گار ہوگا اور نماز پڑھنے والا گناہ گار نہیں ہوگا۔

2) نمازی لوگوں کی گزرگاہ میں نماز پڑھ رہا ہو اور گزرنے والے کے لیے متبادل گزرگاہ نہ ہو تو نماز پڑھنے والا گناہ گار ہوگا، جس طرح لوگ مسجد کے دروازہ اور گیٹ پر نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ گیٹ گزرگاہ ہے، اگر مسجد سے نکلنے کا ایک گیٹ ہے تو نماز پڑھنے والا گناہ گار ہے اور گزرنے والا گنہگار نہیں ہوگا، بلکہ اگر گزرنے والے لوگ گیٹ پر نماز پڑھنے والوں کی گردنوں کے اوپر سے گزر جائیں تو بھی گناہ گار نہیں ہوں گے۔ [ردالمحتار]

3) نماز پڑھنے والا آدمیوں کی گزرگاہ میں نماز پڑھے اور گزرنے والے کے لیے متبادل راستہ ہو، پھر بھی گزرنے والا نمازی کی سجدہ گاہ سے گزرے، تو اس صورت میں نمازی اور گزرنے والا دونوں گناہ گار ہوں گے۔

4) نماز پڑھنے والا لوگوں کی گزرگاہ میں نہ ہو اور گزرنے والے کے لیے متبادل راستہ نہ ہو تو اس صورت میں دونوں گناہ گار نہیں ہوں گے۔ [طحطاوی علی المراقی، صفحہ ۱۸۸/شامی]

مراقی الفلاح، شرح نورالایضاح میں ہے:

وَ الْمَکْرُوْہُ الْمُرُوْرُ بِمَحَلِّ السُّجُوْدِ عَلَی الْاَصَحِّ فِی الْمَسْجِدِ الْکَبِیْرِ وَ الصَّحْرَاءِ وَ فِی الصَّغِیْرِ مُطْلَقًا---

"اور اَصح قول پر مکروہ سجدے کے محل سے گزرنا ہے، بڑی مسجد اور صحرا میں اور چھوٹی مسجد میں محلِ سجود و غیر سجود میں قبلہ کی دیوار تک مطلق مرور اور گزرنا منع ہے"---

طحطاوی شریف میں ہے:

(قَوْلُہُ الْاَصَحُّ) وَ قَالَ فَخْرُ الْاِسْلَامِ وَ ھُوَ مَوْضِعٌ یَّقَعُ عَلَیْہِ بَصَرُ خَاشِعٍ.... الخ---

''سجدہ کی جگہ سے مراد وہ محل ہے، جس پر خشوع کی حالت میں نظر پڑتی ہے''---

اور عموماً سجدے کی جگہ پر نظر ہو تو محتاط اندازے کے مطابق دو صف تک نظر آگے جاتی ہے۔ علامہ شامی نے نقل فرمایا ہے کہ فخر الاسلام کا قول مختار ہے اور جمہور علماء کے قول کو فخر الاسلام کے قول کی طرف لوٹایا جائے۔ لہٰذا دونوں کی جگہ سے قریب آگے دو صف کی مقدار کے برابر گزرنا ممنوع ہے۔ علامہ طحطاوی، صاحب فتح القدیر، محقق ابن ہمام کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قَالَ الْمُحَقِّقُ فِي الْفَتْحِ وَالَّذِيْ يُظْهِرُ تَرْجِيْحَ مَااخْتَارَهُ فَخْرُ الْإِسْلَامِ وَ كَوْنَهُ مِنْ غَيْرِ تَفْصِيْلٍ بَيْنَ الْمَسْجِدِ وَ غَيْرِهٖ فَإِنَّ الْمُؤْثِمَ هُوَالْمُرُوْرُ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ حَقِيْقَةً وَ كَوْنُ الْمَسْجِدِ اَوِ الْبَيْتِ اُعْتُبِرَ بُقْعَةً وَّاحِدَةً فِيْ بَعْضِ الْاَحْكَامِ لَا يَسْتَلْزِمُ تَغَيُّرَالْاَمْرِ الْحِسِّيِّ مِنَ الْمُرُوْرِ عَنْ بَعِيْدٍ يَجْعَلُ الْبَعِيْدَ قَرِيْبًا .....الخ---

''اور محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا ہے اور وہ امر جو فخر الاسلام کے مختار قول کی ترجیح کو غالب کرتا ہے اور مرور کا بغیر تفصیل کے مسجد اور غیر مسجد میں ہونے کو غالب کرتا ہے، وہ اثم اور گناہ کا باعث نماز پڑھنے والے کے آگے حقیقتاً گزرنا ہے اور مسجد اور گھر کو بعض احکام میں ایک بقعہ اعتبار کرنا، امر حسی کی تغییر کو مستلزم نہیں ہے، کہ بقعہ واحدہ ہونا، دور سے گزرنے کو قریب کردے''---

امام ابن ہمام کے کلام میں لفظ بین المسجد وغیرہ میں مسجد سے مراد مسجد صغیر ہے کیوں کہ مسجد کبیر اور صحرا میں، جمہور کے نزدیک بھی فرق نہیں ہے، لہٰذا مسجد صغیر ہو یا مسجد کبیر ہو یا غیر مسجد ہو، سب صورتوں مین، سجدے کے محل سے تقریباً آٹھ فٹ کے فاصلہ سے گزرنا باعث اثم ہوگا۔ محقق ابن ہمام کے قول کی بنیاد حدیث شریف میں لفظ ''بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ '' کا ذکر ہے، یہ کہ حدیث شریف میں مسجد صغیر اور کبیر کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی دار اور بیت کا ذکر ہے، لہٰذا ''بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ'' کے مطلق ذکر کا تقاضا یہ ہے کہ مرور کے مسئلہ میں مسجد صغیر اور کبیر اور مسجد و غیر مسجد کا فرق نہ ہو، ہر جگہ باعثِ اثم، نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرنا ہے۔

البتہ جمہور فقہاء کے نزدیک مسجد صغیر اور کبیر میں مرور کے حکم کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے یہ کہ کبیر مسجد کا حکم صحرا والا ہے، لہٰذا صحرا اور بڑی مسجد میں محل سجود سے دو صف آگے تک گزرنا منع ہے، اس کے بعد گزرنا ممنوع نہیں ہے۔ لیکن چھوٹی مسجد میں قبلہ کی دیوار تک نمازی کے آگے گزرنا منع ہے۔

پھر جمہور کے قول پر مسجد صغیر اور کبیر کی تعریف میں ہم نے "طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح" سے دو قول ذکر کیے تھے، علامہ شامی نے بھی یہی دو قول نقل فرمائے ہیں۔ درمختار میں ہے:

وَ مُرُوْرُ مَارٍّ فِي الصَّحْرَاءِ اَوْ مَسْجِدٍ كَبِيْرٍ بِمَوْضِعِ سُجُوْدِهٖ فِي الْاَصَحِّ اَوْ مُرُوْرُهٗ بَيْنَ يَدَيْهِ اِلٰى حَائِطِ الْقِبْلَةِ فِي بَيْتٍ اَوْ مَسْجِدٍ صَغِيْرٍ فَاِنَّهٗ كَبُقْعَةٍ وَّاحِدَةٍ (اِلٰى) وَ اِنْ اَثِمَ الْمَارُّ--- [جلد ۲، صفحہ ۳۹۸، مکتبہ دار الباز]

"صحراء اور بڑی مسجد میں اصح روایت پر موضع سجود سے گزرنے والے کا گزرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا یا گزرنے والے کا قبلہ کی دیوار تک گزرنا کمرہ میں ہو یا چھوٹی مسجد میں نماز کو فاسد نہیں کرتا، کیوں کہ کمرہ اور چھوٹی مسجد ایک ٹکڑے کی مانند ہے، اگرچہ گزرنے والا گناہ گار ہوگا"---

ردالمحتار میں ہے:

(قَوْلُهٗ وَ مَسْجِدٌ صَغِيْرٌ) هُوَ اَقَلُّ مِنْ سِتِّيْنَ ذِرَاعًا وَ قِيْلَ مِنْ اَرْبَعِيْنَ وَ هُوَ الْمُخْتَارُ كَمَا اَشَارَ اِلَيْهِ فِي الْجَوَاهِرِ--- [قہستانی]

(قَوْلُهٗ فَاِنَّهٗ كَبُقْعَةٍ وَّاحِدَةٍ) اَیْ مِنْ حَيْثُ اَنَّهٗ لَمْ يُجْعَلِ الْفَاصِلُ فِيْهِ بِقَدْرِ صَفَّيْنِ مَانِعًا مِنَ الْاِقْتِدَاءِ تَنْزِيْلًا لَهٗ مَنْزِلَةَ مَكَانٍ وَّاحِدٍ بِخِلَافِ مَسْجِدِ الْكَبِيْرِ فَاِنَّهٗ جُعِلَ فِيْهِ مَانِعًا فَكَذَا هُنَا يُجْعَلُ جَمِيْعُ مَا بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ اِلٰى حَائِطِ الْقِبْلَةِ مَكَانًا وَّاحِدًا بِخِلَافِ مَسْجِدِ الْكَبِيْرِ وَ الصَّحْرَاءِ فَاِنَّهٗ لَوْ جُعِلَ كَذَالِكَ لَزِمَ الْحَرَجُ عَلَى الْمَارَّةِ فَاقْتُصِرَ عَلٰى مَوْضِعِ السُّجُوْدِ---

[جلد ۲، صفحہ ۳۹۸، مکتبہ دار الباز]

"اور مسجد صغیر وہ ہے جو ساٹھ (۶۰) شرعی گزوں سے کم ہو اور ایک روایت یہ ہے کہ چالیس (۴۰) گزوں سے کم ہو اور یہی آخری قول چالیس (۴۰) گز والا مختار ہے، جیسا کہ جواہر میں اس کی طرف صاحب جواہر نے اشارہ کیا ہے"--- [قہستانی]

"(قوله فانه كبقعة واحدة) مصنف کا قول کہ مسجد صغیر بقعۂ واحدہ کی طرح ہے، یعنی اس حیثیت سے کہ صغیر مسجد میں دو صفوں کی مقدار کا فاصلہ اقتداء سے مانع نہیں ہوتا۔ صغیر مسجد بمنزلہ ایک مکان کے، کی جاتی ہے، بخلاف کبیر مسجد کے، کیوں کہ دو صفوں کی مقدار خلا کا وجود اقتداء سے مانع ہوتا ہے، پس اسی طرح مرور اور گزرنے کے حکم کے لیے

یہاں نماز پڑھنے والے کے آگے قبلہ کی دیوار تک ایک مکان کا اعتبار کیا جائے گا، بخلاف کبیر مسجد اور صحراء کے، کیوں کہ اگر مسجد کبیر کو بمنزلہ مکان واحد کے کیا جائے تو گزرنے والوں پر حرج اور مشقت لازم آئے گی، لہٰذا بڑی مسجد میں سجدے کی جگہ پر اقتصار کیا گیا ہے"---

دوسری جگہ فرمایا:

وَ حَاصِلُهٗ اَنَّ الدَّارَ الْکَبِیْرَةَ کَالصَّحْرَاءِ وَ الصَّغِیْرَةَ کَالْمَسْجِدِ وَ اَنَّ الْمُخْتَارَ فِی الْکَبِیْرَةِ اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا---[ردالمحتار]

"اس کا حاصل یہ ہے کہ کبیرہ دار، صحرا کی طرح اور صغیرہ مسجد کی طرح ہے اور کبیرہ کی تعیین میں چالیس (۴۰) گز کا قول مختار ہے"---

تنبیہ

زیر بحث مسئلہ اگرچہ صرف نمازی کے آگے گزرنے کا ہے، لیکن مسجد صغیر اور کبیر میں امتیاز کا ذکر عموماً دو حکموں کے حوالہ سے کیا جاتا ہے، ایک نمازی کے آگے گزرنے کا حکم اور ایک صفوں میں یا امام اور صفوں کے درمیان خلاء کے وجود کا اقتداء کے لیے مانع ہونے کا حکم۔ لہٰذا ساٹھ (۶۰) گز یا چالیس (۴۰) گز سے کم مسجد بالاتفاق مسجد صغیر ہے، ایسی مسجد میں دو صفوں کی مقدار خلا کا وجود امام کی اقتدا سے مانع نہیں ہوگا، نیز جمہور کے نزدیک ایسی مساجد میں قبلہ کی دیوار تک نماز پڑھنے والے کے آگے گزرنا ممنوع ہے، البتہ علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں بین یدی المصلی سے استدلال فرما کر صغیر مسجد میں بھی موضع سجود سے آگے تقریباً دو صف تک گزرنے کو ممنوع فرمایا ہے اور اس سے آگے گزرنے کو جائز فرمایا ہے۔ ساٹھ (۶۰) یا چالیس (۴۰) گز سے زائد مسجد کبیر کہلائے گی۔ پھر فقہاء کرام کی عبارتوں سے کبیر مسجد کی دو قسم سمجھ آتی ہیں۔ ایک کبیر اور دوم کبیر جداً، یعنی بہت بڑی مسجد، جس طرح قدیم زمانہ کی تیار شدہ خوارزم کی مسجد، جس کے سولہ ہزار ستون ہیں اور مسجد القدس جو کہ تین مسجدوں کا مجموعہ ہے، مسجد القدس، مسجد الصخرۃ اور مسجد البیضاء اور زمانہ جدید کی مساجد میں مسجد حرام اور مسجد نبوی بھی بہت بڑی مساجد سے ہیں۔ ایسی مساجد کا کبیرہ یا اکبر ہونا مسلمات سے ہے۔ فقہاء کرام نے ان مساجد کے لیے کبیر جداً کے الفاظ ذکر فرمائے ہیں، ان مساجد کی مثال بالاتفاق صحرا کی ہے اور صحرا اور ایسی مساجد میں فقہاء نے دو صفوں کی مقدار خلاء کے وجود کو اقتداء کے لیے مانع فرمایا ہے اور ان مساجد میں بغیر سُترہ نماز پڑھنے والے کے آگے دو

صفوں کے بعد گزرنے کو جائز فرمایا ہے۔ اور کبیر مسجد کی دوسری قسم جو ساٹھ گز سے بڑی ہو، لیکن مسجد خوارزم اور مسجد القدس جتنی بڑی نہ ہوں، ایسی مساجد کو بعض علماء کرام صغیر مسجد میں شمار کرتے ہیں، لیکن ہمارے خیال میں ایسی مساجد، مساجد کبیرہ ہیں، یعنی ایسی مساجد جو ساٹھ یا چالیس گز سے تو بڑی ہوں لیکن خوارزم اور بیت القدس جیسی بڑی نہ ہوں، بلکہ ان سے بہت چھوٹی ہوں، جیسے کراچی کی بڑی مساجد، مثلاً میمن مسجد بولٹن مارکیٹ اور طوبیٰ مسجد، ڈیفنس اور رحمانیہ مسجد، طارق روڈ اور مبارک مسجد، سی ویو اور اقصیٰ مسجد، فیڈرل بی ایریا وغیرہا۔ ان مساجد کو بعض علماء نے مرور اور اقتداء سے مانع دونوں حکموں میں مساجد صغیرہ میں شمار کیا ہے یعنی دو صفوں کی مقدار خلاء ان مساجد میں اقتداء سے مانع نہیں ہوگی اور قبلہ کی دیوار تک ان مساجد میں نماز پڑھنے والے کے آگے گزرنا منع ہوگا۔ لیکن ہمارے خیال میں مذکورہ مساجد ان دو حکموں میں کبیرہ مساجد ہیں، کیوں کہ مساجد صغیرہ اور کبیرہ کی تعریف ان کے قول کی تائید نہیں کرتی بلکہ مسجد کبیر کی تعریف کا مقتضیٰ یہ ہے کہ کراچی کی مذکورہ اور ان جیسی مساجد ان دو حکموں میں کبیرہ مساجد ہوں۔

چوں کہ کتب فقہ میں جہاں دو صفوں کی مقدار خلا کو اقتداء سے مانع کہا گیا ہے، وہاں مسجد کبیر جداً کے الفاظ ذکر کیے گئے ہیں اور ان کی مثال مسجد خوارزم اور مسجد القدس سے دی گئی ہے اور جہاں نماز پڑھنے والے کے آگے گزرنے کا حکم ذکر کیا گیا ہے، وہاں ساٹھ (۶۰) گز یا چالیس (۴۰) گز سے زائد مسجد کبیر کہا گیا ہے، لہٰذا مساجد کی اگر تین قسم کرلی جائیں تو مناسب ہوگا:

۱۔۔۔۔۔صغیر ۲۔۔۔۔۔کبیر ۳۔۔۔۔۔اکبر

بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ ساٹھ گز سے زائد بڑی مساجد ان دو احکام میں فقہاء قدیم کے نزدیک مساجد کبیرہ کے حکم میں ہیں، یہ کہ ان مساجد میں دو صفوں کی مقدار خلا کا وجود اقتدا کے لیے مانع ہوگا اور بغیر سُترہ نمازی کے آگے دو صف کے بعد گزرنا جائز ہوگا، لیکن خلا کے مانع ہونے کے حکم میں فقہاء کے نزدیک عدم جوازِ اقتداء کی علت "دو صفوں کے خلاء کی مقدار" کی وجہ سے امام کی حالت رکوع اور سجود کا اشتباہ ہے، اگر اشتباہ نہ ہو تو خلا کا وجود اقتدا سے مانع نہیں ہوتا اور موجودہ دور میں اسپیکروں کی وجہ سے امام صاحب کی آواز دور دور تک پہنچتی ہے، اس لیے خلا کے باوجود اشتباہ نہیں رہتا، اس لیے ان مساجد میں دو صفوں یا اس سے زائد صفوں کے خلا کے باوجود عدمِ اشتباہ کی وجہ سے اقتدا جائز ہوگی۔ چناں چہ شامی نے نقل کیا:

وَ فِی النَّوَازِلِ جُعِلَہٗ کَالْمَسْجِدِ وَ الْمَسْجِدُ وَ اِنْ کَبُرَ لَا یَمْنَعُ

اَلْفَاصِلُ اِلَّا فِي الْجَامِعِ الْقَدِيْمِ بِخُوَارِزَم...... الخ---[صفحہ ۴۳۳]

''اور نوازل میں جنازہ گاہ کو مسجد کے حکم میں کیا گیا ہے اور مسجد اگرچہ بڑی ہو، اس میں فاصل مانع اقتداء نہیں ہوتا مگر جامع قدیم خوارزم......الخ''---

لہٰذا مذکورہ کبیرہ مساجد میں خلاء کے مانع ہونے کا حکم باقی نہیں رہا۔ مزید تفصیل ہماری کتاب ''رفیق المعتکفین'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

اور دوسرا حکم یہ ہے کہ مساجد کبیرہ میں محلِ سجود کے قریب دو صف تک نمازی کے آگے گزرنا منع ہے اور اس کے بعد گزرنا جائز ہے، لہٰذا ان مساجد میں دیوارِ قبلہ تک گزرنے کو ممنوع کہنا صحیح نہیں ہوگا، کیوں کہ نمازی کے آگے بغیر سُترہ گزرنے کے جواز کی علت لوگوں کے لیے حرج اور مشقت کو دفع کرنا ہے، جس کو علامہ شامی نے ذکر فرمایا اور ہمارا مشاہدہ ہے کہ موجودہ دور میں الحمد للہ نماز پڑھنے والوں سے مساجد بھری ہوئی ہوتی ہیں، خصوصاً رمضان المبارک اور جمعہ کی نمازوں میں لوگ کثرت سے نمازوں میں شریک ہوتے ہیں اور کاہلی اور سستی کی وجہ سے بعض حضرات دیر سے آتے ہیں، مسبوقین اور بعد میں آنے والے نمازیوں کا سلسلہ جماعت سے فراغت کے بعد ایک گھنٹہ جاری رہتا ہے۔ پہلی صفوں کے لوگوں کو مسجد سے اپنی اپنی ضروری حاجات کے لیے جلدی نکلنا ہوتا ہے اور ہر صف کے لیے الگ الگ سُتروں کا انتظام کرنے میں مشقت ہوتی ہے، اس لیے کراچی اور کراچی جیسے بڑے شہروں کی مساجد کو مرور کے حکم میں مساجد کبیرہ میں شمار کیا جائے تو بہتر ہے تاکہ لوگوں کے لیے آسانی اور یسر ہو اور حرج مدفوع ہو، بلکہ مساجد صغیرہ میں بھی ابن ہمام، صاحب فتح القدیر کے قول پر عمل کیا جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔

توضیح

مذکورہ تفصیلی بحث کے بعد کتب فقہ میں نمازی کے سامنے مرور کے مسائل میں اگر مساجد کا لفظ مطلق ذکر کیا گیا ہو تو اس سے مراد مسجد صغیر ہوگی، مثلاً فتح القدیر میں جوامع الفقہ سے منقول ہے:

فِي الْمَسْجِدِ يُكْرَهُ وَ اِنْ كَانَ بَعِيْدًا وَ فِي الْخُلَاصَةِ وَ اِنْ كَانَ فِي الْمَسْجِدِ لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ اَنْ يَّمُرَّ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ حَائِطِ الْقِبْلَةِ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ يَمُرُّ مَا وَرَاءَ خَمِيْسٍ ذِرَاعًا وَ قَالَ بَعْضُهُمْ قَدْرَ مَا بَيْنَ الصَّفِّ الْاَوَّلِ وَ حَائِطِ الْقِبْلَةِ وَ مَنْشَاءُ هٰذِهِ الْاِخْتِلَافَاتِ مَا يُفْهَمُ مِنْ لَفْظِ ''بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ'' فَمَنْ فَهِمَ اَنَّ ''بَيْنَ يَدَيْهِ'' يَخُصُّ مَا بَيْنَهُ وَ بَيْنَ مَحَلِّ سُجُوْدِهٖ

قَالَ بِهٖ وَ مَنْ فَهِمَ اَنَّهٗ يَصْدُقُ مَعَ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ نَفَاهُ وَ عَيَّنَ مَا وَقَعَ عِنْدَهٗ وَ الَّذِيْ يَظْهَرُ .... اِلَخْ---[فتح القدیر]

''مسجد میں نمازی کے آگے گزرنا منع ہے، اگرچہ دور ہو اور خلاصہ میں ہے کہ اگر گزرنا مسجد میں ہو تو مناسب نہیں، کسی ایک کے لیے یہ کہ گزرے نمازی کے اور قبلہ کی دیوار کے درمیان اور بعض علماء نے کہا ہے کہ گزرنے والا پچاس (۵۰) گز کے بعد گزرے اور ان میں سے بعض علماء نے کہا کہ مقدار اس کی پہلی صف اور قبلہ کی دیوار کے درمیان جگہ کے برابر ہے، ان مختلف اقوال کی بنیاد وہ مفہوم ہے جو حدیث شریف مذکور ''بَیْنَ یَدِیِ الْمُصَلِّیْ'' کے لفظ سے سمجھا جاتا ہے، پس وہ شخص جس نے سمجھا کہ ''بَیْنَ یَدَیِ الْمُصَلِّیْ'' کا لفظ نمازی اور محلِ سجود کے درمیان جگہ کے ساتھ خاص ہے، تو اس نے اس کا قول کرلیا اور جس شخص نے سمجھا کہ لفظ ''بَیْنَ یَدَیْهِ'' اس فاصلہ سے زائد پر صادق آتا ہے تو اس نے محلِ سجود کی نفی کردی اور وہ قول کیا جو اس کے نزدیک واقع ہے اور وہ جو ظاہر ہے، وہ یہ کہ ''بَیْنَ یَدَیْهِ'' کا مفہوم محلِ سجود کے ساتھ خاص ہے''---

ذکر کردہ فقہی عبارات میں مسجد سے مراد مسجد صغیر ہونی چاہیے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

فائدہ

مذکورہ تفصیل اسی وقت ہے جب نمازی کے آگے سُترہ نہ ہو۔ اگر نمازی کے آگے سُترہ ہو تو سُترہ کے بعد گزرنے والے کو کوئی گناہ نہیں ہوگا، چاہے مسجد صغیر ہو یا مسجد کبیر ہو یا اکبر۔ لہٰذا سُترہ کا اہتمام کرنا مستحب ہے۔

سُترہ کے مسائل

سُترہ کے متعلق بعض امور کا یاد رکھنا ضروری ہے:

1. نمازی کے آگے بغیر سُترہ سے گزرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا، اگرچہ کتا، عورت اور گدھا گزرے۔
2. گزرنے والا گناہ گار ہوگا۔
3. جس جگہ سے گزرنا مکروہ ہے، اس میں اختلاف ہے، لیکن راجح فخر الاسلام کا قول ہے، وہ یہ کہ جب خشوع کی حالت میں نظر سجدے کی جگہ ہو، اس سے آگے جہاں تک نظر جاتی ہے، وہاں تک گزرنا مکروہ ہے۔ ہمارا احتیاط اندازہ سجدے کی جگہ سے آگے دو صف کی مقدار ہے، لہٰذا دو صف کی مقدار کے بعد گزرنا مکروہ نہیں ہے، یہ حکم صحرا اور بڑی مسجد کا ہے۔

4 صحراء اور کبیر مسجد میں نماز پڑھنے کے وقت سُترہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

5 سُترہ کا طول ایک گز شرعی، مساوی ڈیڑھ فٹ ہونا ضروری ہے اور سُترہ کی موٹائی ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے برابر ہونا چاہیے۔

6 نماز پڑھنے والا سُترہ کے قریب ہو۔

7 سُترہ دائیں بھنویں یا بائیں کے سامنے ہونا چاہیے۔

8 امام کا سُترہ قوم کا سُترہ ہے، حتیٰ کہ مسبوق کے لیے بھی امام کا سُترہ کافی ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسبوق کے لیے الگ سُترہ قائم کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔

9 سُترہ زمین میں گاڑا جائے، طولاً یا عرضاً رکھنا معتبر نہیں ہے۔

10 نماز پڑھنے والا شخص گزرنے والے کو گزرنے سے ہاتھ کے اشارے سے منع کرے یا بلند آواز سے سبحان اللہ کہے تا کہ گزرنے والا رک جائے اور عورت ہاتھ کی پشت پر ہاتھ مارے اور اگر دو دصف آگے چل کر قتال کرے گا تو صحیح قول پر نماز فاسد ہو جائے گی اور حدیث قتال، صحیح قول پر منسوخ ہے۔

لطیفہ

ابن ماجہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں نماز پڑھ رہے تھے، آپ ﷺ کے سامنے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلے شوہر کا بیٹا عبد اللہ یا عمر گزرنے لگا، آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا تو وہ واپس لوٹ گیا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پہلے شوہر سے بیٹی حضرت زینب گزرنے لگی، آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا، لیکن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آگے سے گزر گئیں، واپس نہیں لوٹیں۔
جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ چکے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

هُنَّ اَغْلَبُ---

"عورتیں غالب ہوتی ہیں"---

فائدہ

مسجد حرام میں نماز پڑھنے والوں کے آگے گزرنا بلا کراہت جائز ہے [شامی] مسجد حرام میں نمازی کے آگے گزرنے کا حکم تو کتب فقہ میں مذکور ہے، لیکن مسجد نبوی علیٰ صاحبها الصلوٰۃ والسلام کے متعلق حکم نظر سے نہیں گزرا، مگر مسجد الرسول ﷺ اس وقت مسجد خوارزم اور مسجد القدس سے بھی بڑی ہو چکی ہے، اس لیے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے والے کے آگے بغیر سُترہ سجدہ کی جگہ سے دو صف

کی مقدار کے بعد گزرنے میں تو بالاتفاق گناہ نہیں ہوگا۔ جس طرح فخر الاسلام کا قول ہے کہ سجدہ گاہ سے آگے جہاں تک حالت خشوع میں نظر پڑتی ہے، وہاں تک گزرنا منع ہے، بلکہ مسجد نبوی میں لوگوں کے اژدحام کے باعث فخر الاسلام کے قول میں بھی تنگی اور عسر ہے، لہٰذا اگر مسجد نبوی ﷺ کے متعلق جمہور کے قول کہ "نمازی کے قدموں اور سجدے کی جگہ کے درمیان گزرنا مکروہ ہوتا ہے" پر فتویٰ دیا جائے تو مناسب ہوگا۔ بلکہ ریاض الجنۃ میں نہایت اژدحام کی وجہ سے لوگ نمازیوں کی گردنیں پھلانگ رہے ہوتے ہیں، لہٰذا عموم بلویٰ کی بنیاد پر ریاض الجنۃ کے لوگوں کے لیے ایک دوسرے کی سجدہ گاہوں کے اندر سے گزرنے کے جواز کا فتویٰ بھی دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیوں کہ عام حالات میں بھی مسجد نبوی میں پانچ سے دس لاکھ آدمی ہر نماز میں شریک ہوتے ہیں اور جمعہ، عیدین، رمضان اور ذی الحج کے ایام میں بیس سے تیس لاکھ لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد نمازیوں کے آگے گزرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ انھیں عموم بلویٰ کی وجہ سے گناہ گار بنانے کے قول کے بجائے گناہ گار نہ ہونے کا قول کیا جائے تو یہ قول ایسر اور افضل ہے۔ ھٰذَا مَا عِنْدِیْ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ

چناں چہ ردالمحتار میں ہے کہ حضرت المطلب بن وداعہ روایت کرتے ہیں:

رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یُصَلِّیْ حَذْوَ الرُّکْنِ الْاَسْوَدِ وَ الرِّجَالُ وَ النِّسَاءُ یَمُرُّوْنَ بَیْنَ یَدَیْهِ مَا بَیْنَهُمْ وَ بَیْنَهٗ سُتْرَةٌ---

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجر اسود کے کونہ کے محاذی نماز پڑھتے دیکھا، مرد اور عورتیں آپ ﷺ کے آگے سے گزر رہے تھے، ان گزرنے والوں اور آپ ﷺ کے درمیان کوئی سُترہ نہیں تھا"---

..................(اِلٰی) قَالَ ثُمَّ رَأَیْتُ فِی الْبَحْرِ الْعَمِیْقِ حَکٰی عِزُّ الدِّیْنِ بْنُ جَمَاعَةَ عَنْ مُشْکِلَاتِ الْآثَارِ لِلطَّحَاوِیِّ اَنَّ الْمُرُوْرَ بَیْنَ یَدَیِ الْمُصَلِّیْ بِحَضْرَةِ الْکَعْبَةِ یَجُوْزُ قُلْتُ وَ ھٰذَا فَرْعٌ غَرِیْبٌ فَلْیُحْفَظْ ......اھ---

[جلد ۳، صفحہ ۵۱۶/ ارشاد الساری الی مناسک الملا علی قاری، صفحہ ۱۷۲، دارالکتب العلمیۃ/ ھدایۃ المسالک الی مذاھب الاربعۃ فی المناسک، صفحہ ۹۴۵]

"یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ مسجد حرام میں بغیر سُترہ نمازی کے آگے گزرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ (پھر علامہ شامی نے فرمایا کہ) اس نے کہا میں نے "بحر عمیق" میں دیکھا کہ عزالدین بن جماعہ نے علامہ طحاوی کی "مشکلات الآثار"

سے حکایت کی کہ کعبہ کے سامنے نماز پڑھنے والے کے آگے گزرنا جائز ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ تفریع اور جزئیہ عجیب وغریب ہے، اس کو یاد رکھا جائے"---

موجودہ دور میں امام ابن ہمام کا قول مفتٰی بہ ہونا چاہیے، یہ کہ مسجد صغیر اور کبیر کا فرق نہیں ہے اور ہر مسجد میں نمازی کے آگے بغیر سُترہ دو صف کے بعد گزرنا جائز ہے، کیوں کہ اس قول میں یسر ہے، نیز مسجد صغیر اور کبیر کی تعریف اور تعیین کسی حدیث میں نہیں ہے، بلکہ فقہاء کا قول ہے اور فقہاء کرام نے اپنے دور کے حساب سے مسجد صغیر اور کبیر کی مقدار بیان فرمائی تا کہ لوگوں سے مشقت اور حرج دفع کی جائے، موجودہ دور کی مشکلات کے پیش نظر امام ابن ہمام کا قول زیادہ مناسب ہے۔

الحاصل

❁ جمہور فقہاء کے نزدیک چھوٹی مساجد میں بغیر سُترہ قبلہ کی دیوار تک نمازی کے آگے گزرنا مکروہ ہے اور چھوٹی مسجد سے ایک قول پر چالیس (۴۰) گز سے کم مقدار یا دوسرے قول پر ساٹھ (۶۰) گز سے کم مقدار کی مسجد مراد ہے، لہٰذا بڑے شہروں کی اکثر مساجد بڑی مساجد ہیں۔

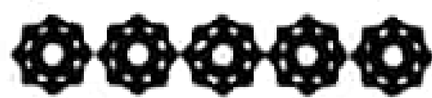
❁ بڑی مساجد میں سوائے مسجد حرام اور مسجد نبوی کے نمازی کے آگے بغیر سُترہ سجدے کی جگہ سے آگے دو صف کے بعد گزرنا جائز ہے اور دو صف کے اندر گزرنا منع ہے اور کراچی، لاہور، اسلام آباد، پشاور، ملتان کی اکثر مساجد بڑی مساجد ہیں۔

❁ مسجد حرام میں نمازی کے آگے سجدہ گاہ کے اندر سے گزرنا بھی بغیر سُترہ جائز ہے اور ازدحام کے وقت مسجد نبوی میں بھی سجدے کی جگہ کے اندر سے بغیر سُترہ نمازی کے آگے گزرنا جائز ہونا چاہیے، کیوں کہ مسجد حرام میں جواز کی علت حرج اور مشقت کا دفع کرنا ہے اور یہی علت مسجد نبوی میں بھی موجود ہے۔ و اللّٰہ تعالٰی اعلم

نوٹ

سیدی فخر الاسلام کے قول کے مطابق نمازی کی سجدہ گاہ سے دو صف کے فاصلہ کی مقدار احتیاطاً لکھی گئی ہے، ورنہ سجدہ گاہ سے صرف ایک صف آگے کی مقدار تک خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی نگاہ احاطہ کرتی ہے، لہٰذا ایک صف کے بعد گزرنا مکروہ نہیں ہوگا۔

[بشکریہ فقہ اسلامی، کراچی]



مرد و عورت کی نماز میں فرق

دلائل کی روشنی میں

نماز کے موضوع پر ''حی علی الصلوٰۃ'' کے عنوان سے پروفیسر خلیل احمد نوری کا مضمون نور الحبیب میں ۳۹ قسطوں میں شائع ہوا، بعد میں یہ مقبول ترین سلسلہ وار مضمون ''رہنمائے نماز'' کے نام سے کتابی صورت میں منظر عام پر آیا۔ اس کتاب کے کئی ایڈیشن آ چکے ہیں، اب تازہ ایڈیشن کے لیے انھوں نے مرد و عورت کی نماز میں فرق کے حوالے سے یہ مضمون تحریر کیا ہے جو کتاب کا باقاعدہ حصہ بننے سے پہلے قارئین نور الحبیب کی نذر ہے --- [ادارہ]

جس طرح اسلام نے معاشی، معاشرتی اور سماجی و خاندانی ذمہ داریاں سونپتے ہوئے مردوں اور عورتوں میں فرق و امتیاز رکھا ہے، اسی طرح دینی اور مذہبی فرائض و اعمال اور عبادات انجام دینے میں بھی مرد و عورت میں لحاظ کیا ہے۔ مثلاً استطاعت کے باوجود جس عورت کو محرم میسر نہ ہو، جو سفر حج میں اس کے ہمراہ جا سکے، اسے فریضہ حج سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ مردوں کی طرح جہاد کا بوجھ عورتوں پر نہیں ڈالا گیا۔ حج و عمرہ کے احرام میں دونوں میں فرق و امتیاز قائم کیا گیا ہے، یعنی عورتیں معمول کے لباس میں رہ کر حج و عمرہ کرتی ہیں اور مردوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دو اَن سلی چادروں میں یہ سعادت حاصل کریں۔ دینی امور میں فرق و تمیز کا یہی پہلو نماز سے متعلق احکام میں بھی موجود ہے۔ مثلاً عورتوں کو مساجد میں نماز کے لیے امام مقرر نہیں کیا جاتا اور نہ ہی وہ جمعہ کا خطبہ دیتی ہیں۔ عورتیں موذن بنتی ہیں اور نہ ہی جماعت کے لیے اقامت کہتی ہیں۔ اسی طرح عورتوں کی صف مردوں کی صفوں کے پیچھے آخر میں ہوتی ہے۔ مردوں کے لیے کھلے سر نماز پڑھنا، اگرچہ ناپسندیدہ اور خلاف ادب ہے، لیکن ننگے سر پڑھی گئی نماز باطل نہیں ہوتی۔ جب کہ عورتوں کا

ننگے سر نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

''بالغہ عورت کی نماز چادر کے بغیر نہیں ہوتی''---[کنز العمال، جلد ۷، صفحہ ۵۵۰]

جن اعضاء کو نماز میں ڈھانپنا شرط ہے کہ اس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی، وہ مردوں کے لیے اور ہیں، عورتوں کے لیے اور۔ یوں ہی فرض نماز با جماعت مسجد میں ادا کرنا مردوں کے لیے پچیس یا ستائیس گنا زیادہ ثواب اور فضیلت کا باعث ہے اور اس کی انہیں تاکید کی گئی ہے، مگر عورت کے لیے اس کے برعکس گھر کی چار دیواری میں باپردہ رہ کر نماز پڑھنے کی تلقین ہے اور اس میں اس کے لیے فضیلت واہمیت ہے۔

سماجی، معاشی اور معاشرتی شعبوں میں ذمہ داریوں کے حوالے سے مرد و عورت کے متعلق اسلامی ہدایات کا فرق ہو یا عبادات اور مذہبی ذمہ داریوں کے سلسلے میں تمیز و تفریق ہو، دیگر وجوہ کے ساتھ ساتھ بنیادی وجہ اور سبب مرد و عورت کے درمیان جسمانی ساخت کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا ہے۔ عورت کی جسمانی ہیئت ہر اعتبار سے مرد سے مختلف ہے۔ قانون الٰہی کی نظر میں عورتوں کی جسمانی ساخت و ہیئت کا تقاضا ہے کہ وہ پردے میں رہے۔ عورتوں کو اپنے جسم چھپانے اور اعضاء کو نمایاں نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی زینت کے حصوں کو چھپائیں اور بھڑکیلا لباس پہن کر باہر نہ نکلیں، انہیں اوڑھنیاں اوڑھ کر نکلنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ یہ سب احکام عورت کی پردہ داری اور فطری حیاء کے تقاضوں کی وجہ سے ہیں۔ اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا:

المرءۃ عورۃ---[ترمذی، ابواب الرضاع]

''عورت چھپانے اور پردہ کی چیز ہے''---

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''عورت چھپانے کی چیز ہے، جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اسے تاکتا ہے اور عورت اپنے گھر کی سب سے بند کوٹھڑی میں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتی ہے''---

[الترغیب و الترھیب، کتاب الصلوٰۃ، باب ترغیب النساء فی الصلوٰۃ فی بیوتھن و لزومھا............]

نبی اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''عورتوں کے لیے ان کی نماز کی جگہوں میں سب سے بہتر جگہ ان کے گھروں

کے اندرونی حصے ہیں"۔۔۔[مستدرک حاکم، کتاب الصلوٰۃ، باب خیر مساجد النساء قعر بیوتھن، جلد ا، صفحہ ۲۰۹]

نماز پڑھتے ہوئے جن مواقع پر عورت کے اعضاء نمایاں ہونے اور پردہ داری متاثر ہونے کا اندیشہ پایا جاتا ہے، ان مواقع پر عورت کی نماز مرد کی نماز سے مختلف ہو جاتی ہے۔ یہ اس لیے بھی کہ نماز کے دوران میں پردہ داری اور حیا کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا عام حالات کی نسبت زیادہ ضروری ہے۔ کیوں کہ نماز بارگاہ الٰہی میں حاضری اور ذوالجلال والاکرام کے ساتھ سرگوشی اور ملاقات ہے، جو معمول سے بڑھ کر عجز وانکسار اور حیا کا تقاضا کرتی ہے۔

عورتوں کی نماز کا مردوں سے مختلف ہونا کئی احادیث وروایات اور صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین علیہم الرحمہ کے آثار (اقوال وافعال) سے ثابت ہے۔ حضرات محدثین علیہم الرحمہ نے بھی عورتوں کی نماز کا طریقہ مردوں سے جدا بتایا ہے۔ فقہ کے چاروں امام یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اس فرق کے قائل ہیں۔ گویا اس مسئلے میں سلف صالحین کا اجماع اور اتفاق ہے۔ البتہ قرآن وسنت سے واضح طور پر بالکل یہ ثابت نہیں کہ عورتیں ہر صورت میں مکمل طور پر مردوں کی طرح ہی نماز ادا کریں اور نہ ہی کسی صحابی، تابعی، محدث، مجتہد اور فقیہ نے مرد وعورت کی نماز میں فرق کا انکار کیا ہے۔

مرد وعورت کی نماز میں فرق کی اصولی وجہ اور سبب حدیث پاک میں مذکور ہے کہ عورت پردے کی چیز ہے۔ اسی سبب کو سامنے رکھتے ہوئے صحابہ وتابعین نے نشان دہی کی کہ کن کن امور میں عورت کی نماز مرد سے مختلف ہوگی اور فقہاء کرام نے اس فرق کی وضاحت اور تفصیل بیان فرمائی۔ لہٰذا اس مسئلے کے ہر پہلو اور ہر جز کا ثبوت احادیث میں تلاش نہیں کرنا چاہیے۔ کیوں کہ یہ بعینہٖ اسی طرح ہے جس طرح کہ ہم تکبیر تحریمہ سے سلام پھیرنے تک بالترتیب ہر مسئلے کو ایسی صحیح حدیث سے بیان نہیں کر سکتے جو اس مسئلے میں صریح اور واضح ہو اور اس کے مقابلے میں کوئی اور حدیث بھی موجود نہ ہو، جس سے اس سے مختلف حکم ثابت ہوتا ہو۔ اسی طرح اگر ہم چاہیں کہ نماز میں کیے جانے والا ہر عمل اور پڑھا جانے والا ہر ذکر بالترتیب لکھ کر ہر عمل اور ہر ذکر کا درجہ متعین کرنے کے لیے کہ کون سا عمل اور ذکر فرض اور واجب کے درجے میں ہے اور کون سا عمل وذکر سنت یا مستحب کے درجے میں ہے، صحیح اور صریح حدیث تلاش کریں، جس کے معارض ومقابل کوئی اور حدیث نہ ہو تو یہ امر ممکن نہیں ہوگا۔ یوں ہی یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کون سی تسبیح اور ذکر نماز میں آہستہ پڑھا جائے

اور کون سے کلمات نماز میں بلند آواز سے پڑھے جائیں، اگر ہم صریح، واضح اور غیر معارض احادیث لانا چاہیں تو یہ دشوار ہوگا۔ یہی دشواری ہمیں نماز میں بھول کے مسئلے میں بھی ہوگی۔ کیوں کہ ہر عمل اور بھول کے بارے میں واضح، صریح اور غیر معارض حدیث کا ملنا ناممکن ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ احادیث میں اصولی باتیں بیان ہوئی ہیں۔ ان بنیادی یا اصولی باتوں میں علتوں اور اسباب کو تلاش کر کے نماز وغیرہ کے تفصیلی احکام فقہاء نے بیان کیے ہیں، لہٰذا عورتوں اور مردوں کی نماز کے فرق کے مسائل کی تفصیل بھی فقہ کی کتابوں میں تلاش کی جانی چاہیے نہ کہ حدیث کی کتابوں میں۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کے تمام افعال واقوال صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین علیہم الرحمۃ کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں۔ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے دین سیکھا، ان سے تابعین عظام نے دین کی سمجھ بوجھ حاصل کی۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور ﷺ کے شاگرد و نائب ہوئے اور تابعین صحابہ کرام کے شاگرد و نائب قرار پائے۔ اس لیے صحابہ کرام کا عمل بلاواسطہ اور تابعین کا بالواسطہ حضور ﷺ کے عمل کا آئینہ دار ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ امت کے نزدیک اعمال میں صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین کے اقوال وارشادات سند اور دلیل کا درجہ رکھتے ہیں۔ بلکہ صحابہ کرام کے مذکورہ نوعیت کے ارشادات مرفوع حدیث اور سنت کے درجے میں ہیں۔ اس سے یہ ثابت و واضح ہوا کہ صحابہ کرام اور تابعین کا مرد و عورت کی نماز میں فرق کا قائل ہونا اس مسئلے میں ہمارے لیے حجت اور دلیل ہے اور انہوں نے یقیناً حضور ﷺ کے عمل مبارک کو سامنے رکھ کر ہی اس مسئلے میں یہ موقف اختیار کیا ہے۔ تابعین کے اقوال واعمال اگر قرآن وسنت اور قول صحابی سے نہ ٹکراتے ہوں تو وہ بھی سند کا درجہ رکھتے ہیں۔

آئندہ سطور میں احادیث، صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اقوال، تابعین، محدثین اور فقہاء علیہم الرحمۃ کے ارشادات کی روشنی میں اس مسئلے کی وضاحت کی جارہی ہے۔

مرد و عورت کی نماز میں فرق کے متعلق احادیث

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ مجھے حضور ﷺ نے نماز کا طریقہ سکھلایا تو فرمایا کہ اے وائل بن حجر! جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتیوں تک اٹھائے۔

[کنز العمال، جلد ۷، صفحہ ۴۳۱، باب الواؤ، رقم حدیث: ۱۹۶۴۰]

حضرت یزید بن ابی حبیب علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کے بعض حصوں کو زمین سے چمٹا لیا کرو۔ اس لیے کہ اس سلسلہ میں عورت کا حکم مرد کی طرح نہیں ہے۔ [مراسیل ابوداؤد، جلد۳، صفحہ۸/ السنن الکبریٰ، بیہقی، جلد۲، صفحہ۲۲۳]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نماز کے دوران میں جب عورت بیٹھے تو (دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر) اپنی ایک ران دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ میں جائے تو اپنا پیٹ اپنی ران سے ملا لے تاکہ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر کرم فرماتے ہوئے دیکھتا ہے اور فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اے فرشتو! تم گواہ رہنا میں نے اس عورت کی بخشش کر دی۔

[السنن الکبریٰ، بیہقی، جلد۲، صفحہ۲۲۳/ کنز العمال، جلد۷، صفحہ۵۴۹، رقم حدیث۲۰۲۰۳]

مرد و عورت کی نماز میں فرق کے متعلق صحابہ کرام کے اقوال

حضرت عبد ربہ بن زیتون بن عمیر رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا کہ وہ نماز شروع کرتیں تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتی تھیں۔ [جزء رفع الیدین للبخاری / مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلوٰۃ، فی المرءۃ اذا افتتحت الصلوٰۃ.........، جلد۱، صفحہ۲۳۹]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب عورت سجدہ کرے تو خوب سمٹ کر اور سکڑ کر سجدہ کرے اور اپنی دونوں رانوں کو (پیٹ سے) ملا کر رکھے۔ [مصنف ابن ابی شیبہ، جلد۱، صفحہ۲۷۰، کتاب الصلوٰۃ، باب المرءۃ کیف تکون فی سجودھا/ سنن کبریٰ، جلد۲، صفحہ۲۲۲]

یزید بن حبیب بکیر بن عبداللہ بن اشجع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عورت کی نماز کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا، وہ خوب اکٹھی ہو کر اور پورے طور پر سمٹ کر نماز پڑھے۔ [مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلوٰۃ، حوالہ سابق]

تابعین کے اقوال و فتاویٰ

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے شاگرد اور مشہور تابعی حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس سلسلے میں روایات ملاحظہ فرمائیں۔

امام بخاری، امام مسلم اور کتب صحاح ستہ کے مرتبین میں سے اکثر کے استاذ گرامی حضرت

امام ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے حضرت عطاء سے سنا، ان سے عورت کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ نماز میں ہاتھ کیسے اٹھائے؟ انہوں نے فرمایا، اپنی چھاتیوں تک۔

[مصنف ابن ابی بکر شیبہ، کتاب الصلوٰۃ، فی المرء ۃ اذا افتتحت الصلوٰۃ الیٰ این ترفع یدیھا، جلد ۱، صفحہ ۲۳۹]

یہ سوال و جواب عورت کے بارے میں ہے، جس سے واضح ہوا کہ یہ حکم عورتوں کے ساتھ خاص ہے اور مردوں کا حکم اس سے الگ ہے۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ کے استاذ حضرت امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن جریج علیہ الرحمۃ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عطا رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرض کی، کیا عورت تکبیر تحریمہ کے وقت مردوں کی طرح اشارہ کرتے ہوئے ہاتھ بلند کرے؟ فرمایا، عورت تکبیر تحریمہ کہتے وقت اپنے ہاتھ اس طرح نہ اٹھائے جس طرح مرد اٹھاتے ہیں۔ حضرت عطا نے عورت کے تکبیر کہنے میں ہاتھ اٹھانے کا طریقہ بتلاتے ہوئے اشارہ کیا تو اپنے ہاتھوں کو کافی نیچا رکھا اور دونوں ہاتھ اپنے جسم سے خوب ملا لیے۔ یہ بھی فرمایا کہ نماز میں عورت کا طریقہ مردوں کی طرح نہیں ہے۔ [مصنف عبدالرزاق، جلد ۳، صفحہ ۱۳۷، رقم حدیث ۵۰۶۶، باب تکبیر المرء ۃ بیدیھا و قیام المرء ۃ و رکوعھا و سجودھا............/مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، حوالہ سابق]

حضرت عطا نے فرمایا کہ قیام کی حالت میں جس حد تک ممکن ہو عورت اپنے ہاتھوں کو جمع کر کے آپس میں ملا کر رکھے گی۔ [مصنف عبدالرزاق، جلد ۳، صفحہ ۱۳۷، رقم حدیث ۵۰۶۷]

یعنی مردوں کے برعکس اپنے ہاتھ جسم کے ساتھ خوب چمٹا کر رکھے اور انگلیوں میں فاصلہ نہ ہو بلکہ اچھی طرح ملی ہوئی ہوں، کیوں کہ اس کے جسم کا زیادہ سے زیادہ ملا اور سکڑا ہوا ہونا اس کے لیے پردہ داری میں مدد دے گا۔

حضرت ابن جریج نے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عطاء نے فرمایا کہ عورت نماز کے دوران میں اکٹھی ہو کر رہے گی۔ جب رکوع میں جائے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے پیٹ کی جانب اٹھائے رکھے (یعنی زیادہ نہ جھکے) اور جتنا سمٹ سکتی ہو سمٹ جائے۔ پھر جب سجدہ کرے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے پہلوؤں کے ساتھ ملا لے اور اپنے پیٹ اور سینے کو اپنی رانوں سے ملائے اور جس قدر ممکن ہو سکڑ اور سمٹ جائے۔ [مصنف عبدالرزاق، جلد ۳، صفحہ ۱۳۷]

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کئی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے شاگرد تھے۔ انہوں نے

متعدد صحابہ کرام کو پایا، ان سے دین سیکھا اور علمی و روحانی فیض پایا۔ یہ جلیل القدر تابعی خواہشات نفس سے دور تھے، ان کے اقوال کی بنیاد یقیناً کوئی حدیث یا کسی صحابی کا قول و عمل تھا۔ اس لیے ان کے اقوال و ارشادات ہمارے لیے دلیل اور حجت ہیں۔ ذیل میں ان کے دو قول پیش کیے جاتے ہیں:

حضرت معمر بیان کرتے ہیں، حضرت حسن اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ جب عورت سجدہ کرے گی تو جہاں تک ممکن ہو اپنا جسم ملا کر رکھے گی اور اپنے اعضاء کو کھلا نہیں چھوڑے گی تا کہ اس کے سرین اوپر نہ اٹھیں۔ [ایضا]

یہی مذکورہ بات محدث ابن مبارک نے کہی کہ حضرت حسن بصری نے فرمایا، عورت سجدے میں اپنے آپ کو خوب اکٹھا کر کے اور سکیڑ کر رکھے گی۔ [مصنف ابن ابی شیبہ، جلد ۱، صفحہ ۳۰۳]

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان جلیل القدر افراد میں سے تھے جنہوں نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی صحبت و مجلس پائی، ان سے اسلامی تعلیمات کا فہم حاصل کیا اور تابعیت کے شرف سے سرفراز ہوئے۔ خیر القرون میں زندگی کا اعزاز حاصل کرنے والے تابعی حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، جب عورت سجدہ کرے تو اپنا پیٹ اپنی رانوں سے چپکا لے اور اپنے سرین اوپر نہ اٹھائے اور اپنے اعضاء یوں کھلے نہ رکھے جیسا کہ مرد رکھتے ہیں۔

[مصنف عبد الرزاق، جلد ۳، صفحہ ۱۳۸/ السنن الکبریٰ، بیہقی، جلد ۲، صفحہ ۲۲۲]

معروف تابعی حضرت مجاہد علیہ الرحمۃ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ مرد سجدہ کے وقت اپنا پیٹ رانوں پر رکھے، جس طرح کہ عورت رکھتی ہے۔ [مصنف ابن ابی شیبہ، جلد ۱، صفحہ ۲۷۰]

مجاہد علیہ الرحمۃ کے اس قول سے واضح ہوا کہ وہ مردوں اور عورتوں کی نماز میں فرق کے قائل تھے اور مردوں کے لیے نماز میں کشادگی جب کہ عورتوں کے لیے سمٹ کر نماز پڑھنے کا فتویٰ دیتے تھے۔

محدثین اور فقہاء کے اقوال و آراء

مشہور محدث امام بیہقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

نماز کے جن احکام میں مرد عورت کے درمیان فرق ہے وہ پردے کی وجہ سے ہیں۔ عورت کو حکم ہے کہ ان تمام پہلوؤں کا خیال رکھے جو اس کے لیے زیادہ سے زیادہ پردے کا باعث ہوں اور جو ابواب آگے آرہے ہیں، وہ اسی بات کی وضاحت کر رہے ہیں۔ [سنن کبریٰ، جلد ۲، صفحہ ۲۲۲]

امام بیہقی علیہ الرحمۃ نے اس کے بعد باب قائم کیا ہے، جس کا عنوان یہ ہے:

اس باب کا موضوع یہ ہے کہ عورت کے لیے رکوع اور سجدے میں اعضاء کو کشادہ نہ رکھنا

مستحب ہے۔[حوالہ سابق]

امام عبدالرزاق علیہ الرحمۃ نے اپنی معروف کتاب المصنف میں درج ذیل عنوان قائم کیا ہے:

عورت کا اپنے دونوں ہاتھ تکبیر تحریمہ کے لیے اٹھانے اور اس کے رکوع و سجود کے طریقے کا باب۔[مصنف عبدالرزاق، جلد۳، صفحہ۱۳۷]

محدث کبیر امام عبدالرزاق نے اپنی اسی عظیم کتاب میں یہ عنوان بھی دیا ہے:

عورت کے نماز میں بیٹھنے کے طریقے کا بیان۔[حوالہ سابق]

صحیح مسلم کے شارح محدث امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے رکوع کرنے میں مرد و عورت کا مختلف طریقہ بیان کیا ہے[شرح المہذب، جلد۳، صفحہ۴۲۹] حالت سجدہ میں فرق واضح کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا، مرد کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اپنی کہنیاں اپنے پہلوؤں سے جدا رکھے، اگر عورت ہو تو وہ اپنے بعض اعضاء کو دیگر اعضاء کے ساتھ ملائے اور جدا نہ رکھے کیوں کہ یہ بات اس کے لیے زیادہ پردہ پوشی کا باعث ہوگی۔[شرح المہذب، صفۃ الرکوع، جلد۳، صفحہ۴۰۶]

جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ اس مسئلے کی تفصیل کتب فقہ میں ہے، یہاں فقہ حنفی کی معتبر کتاب البحر الرائق کے ایک اقتباس کا ترجمہ پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:

عورت اپنے آپ کو پست کر کے اپنے پیٹ کو رانوں سے چمٹا کر رکھے گی کیوں کہ عورت کے حق میں یہ زیادہ پردہ داری کی بات ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت پردے اور چھپانے کی چیز ہے۔ ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں، حضور ﷺ نے ان سے فرمایا، جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کے بعض حصوں کو زمین کے ساتھ چمٹا لیا کرو، کیوں کہ اس مسئلے میں عورت کا حکم مرد کی طرح نہیں ہے اور شارح نے ذکر کیا کہ عورت نماز پڑھتے ہوئے درج ذیل دس چیزوں میں مرد سے مختلف طریقہ اختیار کرے گی:

۱) تکبیر تحریمہ کہتے وقت اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے گی۔

۲) اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے ہوئے اپنی چھاتی کے نیچے باندھے گی۔

۳) اپنا پیٹ اپنی رانوں سے جدا نہیں کرے گی۔

۴) رکوع کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر اس طرح رکھے گی کہ اس کی انگلیوں کے کنارے اس کے گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔

۵) سجدہ کرتے ہوئے دونوں بغلوں کو نہیں کھولے گی۔

۶) تشہد میں بیٹھتے وقت اپنے دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر بیٹھے گی۔
۷) رکوع میں اپنے دونوں ہاتھ کھلے نہیں رکھے گی۔
۸) مردوں کی امامت نہیں کرائے گی۔
۹) ان کا اپنی جماعت کرانا بھی مکروہ ہے۔
۱۰) اگر عورت امامت کرائے تو ان کی امام درمیان میں کھڑی ہو۔

ان کے علاوہ یہ بھی ہے کہ وہ سجدے اور قعدے میں اپنے پاؤں کی انگلیاں کھڑی نہیں کرے گی جیسا کہ مجتبیٰ میں اس کا ذکر ہے۔

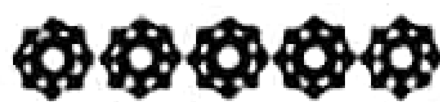
ان احادیث، صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین علیہم الرحمہ کے اقوال وارشادات اور محدثین وفقہاء کی آرا سے معلوم ہوا کہ عورت کے لیے مردوں کی طرح نماز پڑھنا درست نہیں، بلکہ وہ اپنی پردہ داری کا لحاظ کرتے ہوئے خاص خاص مقامات پر مردوں سے مختلف انداز اختیار کریں۔ صحیح بخاری کی اس حدیث پاک سے مغالطہ نہیں ہونا چاہیے، جس میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

صلوا کما رئیتمونی اصلی---

"تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو"---

کیوں کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک بطور خاص حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے لیے تھا۔ حضرت مالک اپنے رفقا کے ہم راہ حضور ﷺ کی خدمت میں کچھ عرصہ گزار کر اور تعلیمات نبوی سے مستفیض ہو کر واپس جا رہے تھے اور ان میں خواتین موجود نہیں تھیں، بلکہ آپ کے مخاطب صرف مرد تھے۔ لہٰذا اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ نماز سے متعلق حضور ﷺ کی جو بات امت کے جن افراد کے متعلق جس طرح سے ثابت ہو اس طرح وہ عمل کریں۔

اس حدیث پاک کی موجودگی میں صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کا مردوں اور عورتوں کی نماز میں فرق ملحوظ رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ ان کے نزدیک یہ ارشاد مبارک مردوں کے لیے خاص ہے اور عورتیں اس میں شامل نہیں ہیں۔ ورنہ تو حضرت مالک اور ان کے ساتھیوں نے ٹوپی مع عمامہ یا صرف عمامہ یا صرف ٹوپی کے ساتھ سرکار فخر عالم ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہوگا تو کیا ہم اس حدیث کی روشنی میں عورتوں کو بھی عمامہ اور ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیں گے؟



گل ھائے منقبت بیاد

محبوبِ سبحانی قطبِ ربانی شاھباز لامکانی غوثِ الاعظم

حضرت شیخ سید عبد القادر الحسنی والحسینی الگیلانی رضی اللہ عنہ

سالِ وصال: ۵۶۲ھ	بہ الفاظ بہ حسابِ ابجد	"طنطنۂ جہانِ فکر" (۵۶۲)
۱۴۲۹ھ میں ۸۶۷واں عرس شریف	بہ الفاظ بحسابِ ابجد "کنزِ معرفت"	

بغداد کا والی ہے ولی ابنِ ولی ہے
ممتاز نمائندۂ سرکارِ علی ہے

وہ قطبِ اولوالعزم ہے، وہ غوثِ جلی ہے
خورشید صفت جلوۂ نورِ ازلی ہے

فرزندِ حسن ، پورِ حسین ابن علی ہے
اس نسلِ حق آگاہ کا ہر فرد ولی ہے

بندہ ہے وہ قادر کا، وہ قادر بھی ہے اس کا
فرمان جو ہے وقت کا فرمانِ جلی ہے

بغداد بھی روشن ہوا، اجمیر بھی اس سے
جو روشنی دربارِ مدینہ سے چلی ہے

آئی جو مصیبت، وہ گئی ان کے کرم سے
پہنچی جو بلا، ان کی عنایت سے ٹلی ہے

کی حضرتِ والا نے بھلے کام کی تلقین!
اسلام کا مقصود ہے جو بات بھلی ہے

مجھ جیسے بشر کیسے کریں اُس کی ستائش
انوار کی سانچے میں جو تصویر ڈھلی ہے

عشاقِ محمد کا مقدر ہے ہر اعزاز!
ہر اوج و حشم قسمتِ خدامِ علی ہے

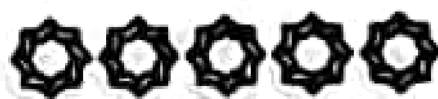
اب اپنا تشخص ہے یہی دَیر و حرم میں
چہرے پہ درِ یار تری خاک ملی ہے

بغداد سے آ جائے کسی روز بلاوا
طارق مری منزل شہِ جیلاں کی گلی ہے

"طالبِ لطف و کرم غوثِ لازوال"

۲۰۰۸ء

محمد عبد القیوم طارق سلطان پوری



حی علی الصلوٰۃ
آخری قسط

صحیح نماز پڑھنا سیکھیں

پروفیسر خلیل احمد نوری

قارئین مضمون ''حی علی الفلاح'' کے زیر عنوان اڑتیس اقساط میں آپ نے نماز کے مسائل کا مطالعہ فرمایا، اس طویل مضمون کے ذریعے یہ کوشش کی گئی ہے کہ آسان الفاظ اور مؤثر انداز میں قارئین کو نماز پڑھنے کا طریقہ سمجھا دیا جائے تاکہ نمازیں ضائع نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق ادا ہو سکے۔

درحقیقت، اسلام کسی بھی عبادت کو محض رسمی طور پر ادا کرنے کا حکم نہیں دیتا بلکہ اسے پورے شعور اور کامل آگہی سے بجالانے کا حکم فرماتا ہے۔ نماز جو کہ تمام فرائض میں سرفہرست ہے، اس کے متعلق اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ اسے شرعی اصولوں کی روشنی میں ادا کیا جائے اور پیارے حبیب ﷺ کے سمجھائے ہوئے طریقوں کے مطابق پڑھنے کا اہتمام کیا جائے۔ قرآن وسنت میں صرف نماز کی نہیں بلکہ صحیح نماز پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب کسی شخص کو اصول وقواعد سے ہٹ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ایسی نماز کی نفی فرمائی اور اسے دہرانے کا حکم فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے، اس وقت ایک شخص مسجد میں آیا اور اس نے نماز پڑھی، اس کے بعد اس نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا، حضور ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا، جاؤ نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ واپس ہوا اور پھر نماز پڑھی، جیسا کہ اس نے پہلے نماز پڑھی تھی، پھر حاضر

خدمت ہو کر نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کیا، حضور ﷺ نے فرمایا، جاؤ نماز پڑھو کیوں کہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ تین بار ایسا ہی ہوا، تب اس نے عرض کیا، یارسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا، لہٰذا مجھے نماز پڑھنا سکھا دیجیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو تکبیر کہو، اس کے بعد جس قدر تمھیں قرآن مجید یاد ہو، پڑھو، پھر رکوع کرو، یہاں تک کہ رکوع میں تمھیں اطمینان حاصل ہو جائے، پھر سر اٹھاؤ حتیٰ کہ بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدے میں جاؤ یہاں تک کہ سجدے میں تمھیں اطمینان حاصل ہو جائے، پھر سر اٹھاؤ حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ، پوری نماز اسی طرح پڑھو''---

[بخاری، کتاب الاذان، باب امر النبی ﷺ الذی لا یتم رکوعہ بالاعادۃ]

قارئین آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بے ڈھنگے انداز میں اور خلاف قاعدہ پڑھی ہوئی نماز کو نماز قرار نہیں دیا بلکہ تین مرتبہ فرمایا:

صَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ---

''جاؤ نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی''---

جو شخص نماز میں کسی قسم کی کمی کرتا اسے سرکار ﷺ تنبیہ فرمایا کرتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن نماز پڑھائی، پھر ایک شخص کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

''اے فلاں! تم نے نماز اچھی طرح کیوں نہیں پڑھی؟ کیا نمازی نماز پڑھتے وقت اس بات پر غور نہیں کرتا کہ وہ کس طرح نماز پڑھ رہا ہے، حالانکہ وہ محض اپنے فائدے کے لیے نماز پڑھتا ہے، اللہ کی قسم اس بات میں کوئی شک نہیں کہ میں تمھیں پس پشت سے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جیسا کہ سامنے سے دیکھتا ہوں''---

[مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب الامر بتحسین الصلوٰۃ واتمامھا والخشوع فیھا/ بیہقی، شعب الایمان، باب فی الصلوات، تحسین الصلوٰۃ والاکثار منھا]

اچھی طرح نماز نہ پڑھنے کو سید عالم ﷺ نے نماز کی چوری قرار دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چوری کا ذکر ہوا تو فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ بدترین چوری کون سی ہے؟ لوگوں نے عرض کی، یہ کہ آدمی اپنے بھائی کی چوری کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بے شک بدترین چوری نماز میں چوری کرتا ہے۔ لوگ عرض گزار ہوئے، ہم میں سے کوئی نماز کی چوری کس طرح کر سکتا ہے؟ فرمایا:

''یہ کہ کوئی نماز کے رکوع اور سجود کو پورے طور پر ادا نہ کرے (تو یہ نماز کی چوری ہے)''---[بیہقی، حوالہ سابق]

صحابہ کرام علیہم الرضوان چونکہ صحیح نماز پڑھنے کی اہمیت سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے، اس لیے جب انھوں نے کسی کو غلط سلط نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے بھی ایسی نماز کو باطل قرار دیتے ہوئے سخت الفاظ سے تنبیہ کی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا جو نماز میں رکوع اور سجدوں کو ٹھیک طریقے سے نہیں ادا کر رہا تھا، فرمایا کہ تمھاری نماز نہیں ہوئی اور اگر تو (اسی حالت میں) مرا تو اس دین پر نہیں مرے گا جس پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا ہے۔[حوالہ سابق، باب اذا لم یتم الرکوع]

صحیح نماز پڑھنے کا طریقہ سکھانے کی اہمیت کے پیش نظر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھ کر دکھائی اور فرمایا کہ اسی طرح نماز پڑھا کرو۔ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ جب منبر رکھا گیا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی اور تکبیر کہی پھر اس پر رکوع کیا، اس کے بعد الٹے پاؤں پھر کر اس کی جڑ میں سجدہ کیا، پھر واپس اپنی جگہ پر چلے گئے، جب فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

''اے لوگو! میں نے یہ اس لیے کیا تا کہ تم میری پیروی کر سکو اور میری نماز سیکھ لو''---[حوالہ سابق، کتاب الجمعة باب الخطبة علی المنبر......]

ادھر، ہمارے بہت سے نمازیوں کا حال یہ ہے کہ رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ میں اطمینان کی وہ کیفیت جو مطلوب ہے، انھیں حاصل نہیں ہوتی اور سال ہا سال سے اسی طرح نمازیں پڑھتے رہتے ہیں، اکثر نمازیوں سے اگر کلمات نماز سنے جائیں تو بہت مایوسی ہوتی ہے۔ بہت سے لوگوں کو بالکل خبر نہیں کہ کن غلطیوں سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے اور کن سے نہیں، اکثر نمازیوں کو اس کا قطعاً کوئی خیال نہیں کہ کون سی باتیں آدب نماز کے منافی ہیں اور کون سی نہیں اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ کون سے امور مکروہ تحریمی قرار پاتے ہیں اور کن امور کی نماز میں گنجائش موجود ہے۔ حد تو یہ ہے کہ گھروں میں بہت سی خواتین نماز فجر پڑھتے ہوئے اس بات کو بالکل اہمیت نہیں دیتیں کہ طلوع آفتاب کی وجہ سے نماز کا وقت ختم ہو چکا ہے یا ابھی باقی ہے۔ بعض اوقات وہ اس وقت نماز پڑھ رہی ہوتی ہیں جب سورج طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تو یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ ذات کریم ہماری نمازوں کو قبولیت کی سند سے نواز دے، لیکن شرعی اصول اور ضابطے ایسی نمازوں کی بسا اوقات نفی کرتے ہیں اور بعض اوقات انھیں ناقص اور غیر معتبر قرار دیتے ہیں۔

مشکل یہ ہے کہ عوام الناس کے پاس اپنے معاشی اور معاشرتی مسائل سے نبرد آزما ہونے کے بعد اتنا وقت نہیں بچتا کہ وہ دینی مسائل جاننے کی سنجیدہ کوشش کریں اور علماء کرام کی مجالس میں بیٹھ کر ان سے ضروری مسائل کے متعلق تبادلہ خیال کریں اور نہ ہی ہمارے پاس ایسے ادارے موجود ہیں جو کچھ وقت کے لیے عوام الناس کو اپنے ہاں قیام کی دعوت دیں اور مسائل سکھانے اور عملی طور پر لوگوں کی تربیت کرنے کے لیے اپنی کوششیں بروئے کار لائیں۔ حالاں کہ حدیث پاک میں ایسی مثال موجود ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دور دراز کے علاقوں سے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس قیام کرتے اور نماز وغیرہ کی عملی تربیت لے کر جایا کرتے تھے۔ حضرت سلیمان بن مالک الحویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ہم چند ہم عمر نوجوان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیس روز تک قیام کیا، جب ہم واپس ہونے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤ، انھیں دین سکھاؤ اور اس پر عمل کرنے کا حکم دو اور نماز اسی طرح پڑھنا جیسے تم مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو----

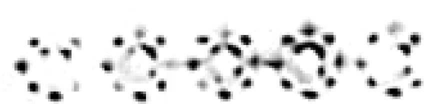
[بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس و البهائم]

اس سلسلے میں علماء کرام کی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے تربیتی نشستوں کا اہتمام کریں اور لوگوں کو نماز وغیرہ کے عملی مسائل سکھائیں۔ علماء کرام کی کوششوں سے اس دینی غفلت کو بہت حد تک شعور و آگہی میں بدلا جا سکتا ہے۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

آخر میں اللہ ارحم الراحمین کی بارگاہ میں التجا ہے کہ اللہ تعالیٰ احقر کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور اسے میرے اور قارئین کے لیے بخشش کا وسیلہ بنا دے، نیز ہم سب کو دین متین کی خدمت کی توفیق ارزانی فرمائے۔

آمین بجاہ طٰہٰ و یٰس صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین



نماز جنازہ کا صحیح طریقہ

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی

نماز جنازہ بر طریقۂ سنت

ائمہ احناف کے نزدیک نماز جنازہ میں صرف قیام اور چار تکبیروں کا پڑھنا فرض ہے اور یہ ایک اتفاقی چیز ہے۔ پہلی تکبیر کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، دوسری تکبیر کے بعد حضور ﷺ پر درود، تیسری تکبیر کے بعد میت کے حق میں دعا اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دیا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی چیز کا پڑھنا فرض نہیں۔ ثنا، درود اور دعا، یہ سب مستحب ہیں۔ نیز نماز جنازہ میں ثنا، درود یا دعا کو کسی خاص الفاظ سے پڑھنے کا حدیث میں حکم نہیں۔ احادیث شریفہ میں وارد جن کلمات سے بھی ثنا، درود اور دعا پڑھ لی جائے، ادا ہو جائے گی۔ چنانچہ امام ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں روایت کرتے ہیں:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ مَا بَاحَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ لَا اَبُوْبَکْرٍ وَّ لَا عُمَرَ فِی الصَّلٰوۃِ عَلَی الْمَیِّتِ بِشَیْئٍ ---[مصنف ابن ابی شیبہ، جلد ۴ صفحہ ۱۱۰]

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے نماز جنازہ میں پڑھنے کے لیے کسی چیز کو معین نہیں فرمایا"---

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ ثَلَاثِیْنَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهُمْ لَمْ یَقُوْمُوْا عَلٰی شَیْءٍ فِیْ اَمْرِ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْجَنَازَۃِ ---

”حضور ﷺ کے تیس صحابہ سے روایت ہے کہ نماز جنازہ میں پڑھنے کے لیے کوئی چیز معین نہیں ہے“---

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ جَرِیْرٍ ﷺ قَالَ سَاَلْتُ مُحَمَّدًا عَنِ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْمَیِّتِ فَقَالَ مَا یُعْلَمُ لَهٗ شَیْءٌ مُوَقَّتٌ فَادْعُ بِاَحْسَنِ مَا تَعْلَمُ---[ایضاً]

”عمران بن جریر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت محمد ﷺ سے نماز جنازہ کے بارے میں پوچھا، وہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی چیز معین نہیں، جو اچھے کلمات ہوں، ان سے دعا مانگو“---

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ غیر مقلدین کا نماز جنازہ میں خاص ثنا، درود اور دعا کی تعیین کرنا قطعاً باطل اور احادیث صریحہ کے خلاف ہے۔

آج کل جن عبارات کے ساتھ ثنا، درود اور دعا کا عام رواج ہو گیا ہے، ان کے ساتھ تخصیص اور تعیین احناف کی کسی مستند کتاب میں موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین بھی اس سلسلہ میں یسرنا القرآن کے سوا اور کوئی حوالہ پیش نہیں کر سکے۔ تاہم جن عبارات کے ساتھ آج کل نماز جنازہ میں ثنا، درود اور دعا پڑھی جاتی ہے، کتب احادیث میں ان عبارتوں کا ثبوت موجود ہے۔

ثناء

عام طور پر جس ثنا کو نماز جنازہ میں پڑھا جاتا ہے، اس کی عبارت یہ ہے:

سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ وَ تَبَارَکَ اسْمُکَ وَ تَعَالٰی جَدُّکَ وَ جَلَّ ثَنَاؤُکَ وَ لَا اِلٰهَ غَیْرُکَ---

یہ ثنا احادیث کی مستند کتابوں میں موجود ہے، چناں چہ مصنف ابن ابی شیبہ اور حافظ ابو شجاع نے اپنی تصنیف میں اسی ثنا کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔

[بحوالہ فتح القدیر، جلد ۱، صفحہ ۲۰۳]

درود شریف

عام طور پر جس درود کو نماز جنازہ میں پڑھا جاتا ہے، اس کی عبارت یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ وَ سَلَّمْتَ وَ بَارَکْتَ وَ رَحِمْتَ وَ تَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ---

اس درود میں سلمت و ترحمت کے الفاظ بھی شامل ہیں، جن کی وجہ سے مخالفین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ درود حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ حالاں کہ فی الواقع ایسا نہیں ہے اور یہ الفاظ بھی احادیث سے ثابت ہیں۔ سلمت کے ثبوت میں ملاحظہ فرمائیں:

اَللّٰھُمَّ وَ سَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا سَلَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی الِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ---

[رواہ ابن مسدی عن علی ابن ابی طالب، بحوالہ سعادت الدارین، صفحہ ۲۳۱]

رحمت کے ثبوت میں ملاحظہ فرمائیں:

وَ ارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّ الَ مُحَمَّدٍ کَمَا رَحِمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی الِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ---

[رواہ ابن جریر عن ابن عباس، بحوالہ سعادت الدارین، صفحہ ۲۳۰]

ترحمت کے ثبوت میں ملاحظہ فرمائیں:

وَ ارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّ آلَ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ وَ بَارَکْتَ وَ تَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی الِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ---

[رواہ الحاکم عن عبداللہ بن مسعود ﷺ، بحوالہ سعادت الدارین، صفحہ ۲۳۰]

سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے مروی ہے:

حَسِّنُوا الصَّلٰوۃَ عَلٰی نَبِیِّکُمْ---

"اپنے نبی ﷺ پر بہترین طریقہ سے درود بھیجو"---

اور کیا یہ بہترین طریقہ نہیں ہے کہ اختصار کے ساتھ حدیث شریف میں وارد تمام کلمات سلمت، رحمت اور بارکت کو درود میں پڑھ لیا جائے۔

دعا

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَ مَیِّتِنَا وَ شَاھِدِنَا وَ غَائِبِنَا وَ صَغِیْرِنَا وَ کَبِیْرِنَا وَ

ذَکَرِنَا وَ اُنْثَانَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَ مَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ---

اور یہ دعا مسند امام احمد، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد اور ابن ماجہ میں موجود ہے، بحوالہ مشکوۃ شریف، صفحہ ۱۴۶

نماز جنازہ برطریقۂ غیر مقلدین

غیر مقلدین حضرات نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ اور ضم سورت کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ حالاں کہ صحیح حدیث سے تکبیر اولیٰ کے بعد حضور ﷺ کا سورۂ فاتحہ پڑھنا اور ضم سورت کرنا یا اس کا حکم ثابت نہیں ہے۔ اس کے برخلاف حدیث صحیح سے یہ امر ثابت ہے کہ نماز جنازہ میں کسی چیز کی قراءت کو مقرر نہیں کیا گیا۔ اسی طرح بکثرت آثار صحابہ سے بھی نماز جنازہ میں قرآن پڑھنے سے منع ثابت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ مشہور محدث، حافظ علی بن ابی بکر ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ فرماتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمْ یُوَقِّتْ لَنَا فِی الصَّلٰوۃِ عَلَی الْمَیِّتِ قِرَاءَ ۃً وَ لَا قَوْلَ کَبِّرْ مَا کَبَّرَ الْاِمَامُ وَ اَکْثِرْ مِنْ طِیْبِ الْکَلَامِ---

[رواہ احمد و رجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد، جلد ۳، صفحہ ۳۲]

"حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے لیے نماز جنازہ میں نہ قرآن پڑھنے کو مقرر کیا گیا، نہ کسی اور چیز کو۔ امام کی تکبیر پر تکبیر کہو اور اچھی دعا و ثناء کرو"---

نیز غیر مقلدین کے مستند ظاہری عالم، ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ ذکر کرتے ہیں:

عَنْ فُضَالَۃَ بْنِ عُبَیْدٍ اَنَّہٗ سُئِلَ اَ یُقْرَءُ فِیْ جَنَازَۃٍ بِشَیْءٍ مِّنَ الْقُرْآنِ قَالَ لَا---[محلی، جلد ۵، صفحہ ۱۳۱]

حضرت فضالہ بن عبید ؓ سے پوچھا گیا، کیا نماز جنازہ میں قرآن پڑھا جائے گا؟ فرمایا نہیں۔

نیز امام ابن ابی شیبہ اور ابن حزم اپنی تصانیف میں روایت کرتے ہیں:

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ لَا یُقْرَءُ فِی الصَّلٰوۃِ عَلَی الْمَیِّتِ---[مصنف ابن ابی شیبہ، جلد ۴، صفحہ ۱۱۳/ محلی، جلد ۵، صفحہ ۱۳۱]

اور علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

وَ مِمَّنْ کَانَ لَا یُقْرَءُ فِی الصَّلٰوۃِ عَلَی الْجَنَازَۃِ وَ یُنْکِرُ عُمَرُ بْنُ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ

الْخَطَّابِ وَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَ ابْنُ عُمَرَ وَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ---

[عمدۃ القاری، جلد ۸، صفحہ ۱۳۹]

''جو اصحاب کرام نماز جنازہ میں قرآن پڑھنے سے منع کرتے تھے، ان میں سے بعض یہ ہیں، حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ''---(رضی اللہ عنہم)

سورت فاتحہ اور ضم سورت پر غیر مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات

① صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ لوگ جان لیں کہ یہ سنت ہے۔

الجواب الاوّل

تو یہ حدیث غیر مقلدین کے لیے مفید نہیں کیوں کہ اس میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کو سنت کہا ہے اور وہ اس کی فرضیت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

الجواب الثانی

سنت کا لفظ اس بات میں صریح نہیں کہ وہ حضور کی سنت ہے۔

الجواب الثالث

جب حدیث صحیح اور صحابہ کرام سے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے سے منع ثابت ہو چکا تو اس کا پڑھنا سنت نہیں ہو سکتا اور حضرت ابن عباس کے اس قول کے ساتھ تصحیح کے لیے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے نماز جنازہ میں بطور ثنا اور دعا سورۃ فاتحہ پڑھی، نہ بطور قراءت قرآن کے اور اس کے جواز کے احناف بھی قائل ہیں۔

② ابن ماجہ سے ایک روایت پیش کی جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔

الجواب

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے، حماد بن جعفر العبدی، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ لین الحدیث ہے، یعنی ضعیف ہے---[تقریب التھذیب، صفحہ ۴۵]

ایک راوی ہے، شہر بن حوشب، اس کے بارے میں ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ کثیر الارسال و

الاوہام ہے، یعنی اس کی روایات مرسل ہوتی تھیں اور اس کو بہت وہم لاحق ہوتے تھے۔۔۔

[تقریب التہذیب، صفحہ ۸۶]

ایک راوی ہے، ابو عاصم، اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کی روایات ضعیف ہوتی تھیں۔۔۔[تقریب التہذیب، صفحہ ۲۵۸]

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی تمام کڑیاں ضعیف راویوں پر مشتمل ہیں۔

❸ مجمع الزوائد، جلد ۳، صفحہ ۳۳ کے حوالہ سے طبرانی کی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے نماز جنازہ میں بآواز بلند سورۃ فاتحہ پڑھی، حالاں کہ مجمع الزوائد میں اسی حدیث کے ساتھ یہ لکھا ہوا ہے کہ اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن یزید بن عبد الملک نوفلی نام کا ایک راوی ہے اور وہ ضعیف ہے۔

❹ مجمع الزوائد، جلد ۳، صفحہ ۳۲، میں اسماء بنت یزید کی روایت پیش کرتے ہیں، جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم نماز جنازہ پڑھو تو سورۃ فاتحہ پڑھو، جب کہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد صاحب مجمع الزوائد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں معلّٰی بن حمران نام کا ایک مجہول راوی ہے اور اس کے علاوہ دوسرے راوی بھی محل کلام ہیں۔

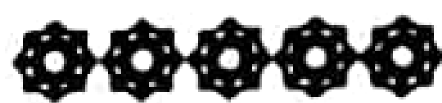
❺ سنن نسائی سے ایک حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور ضم سورۃ کیا۔ سورۃ فاتحہ کا جواب گزر چکا ہے، ضم سورۃ کا جواب یہ ہے کہ یہ ابراہیم بن سعد کی روایت ہے اور بیہقی فرماتے ہیں کہ اس روایت میں ضم سورت کا ذکر غیر محفوظ ہے۔۔۔

[سنن کبریٰ، جلد ۴، صفحہ ۳۸]

اظہار حق کی خاطر یہ چند سطور سپرد قلم کی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور ان اوراق کو اہل سنت احناف کے لیے استقامت اور غیر مقلدین کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔۔۔

وَ مَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ



Scanned with CamScanner

آدابِ مسجد

امام احمد رضا محدث بریلوی

۱...... جب مسجد میں قدم رکھو تو پہلے سیدھا (دایاں) پھر اُلٹا (بایاں) اور واپسی پر اس کا عکس۔

۲...... مسجد میں آتے وقت اعتکاف کی نیت:

بِسْمِ اللّٰہِ دَخَلْتُ وَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَ نَوَیْتُ سُنَّۃَ الْاِعْتِکَافِ--

کرلو، کہ اس عبادت کا بھی ثواب ملے گا اور اس کے لیے روزہ شرط نہیں، نہ کسی معین وقت تک بیٹھنا لازم، جب تک بیٹھو گے معتکف رہو گے، جب باہر آئے اعتکاف ختم ہو گیا اور اس کے سبب مسجد میں پانی پینا یا مثلاً پان کھانا بھی جائز ہو گا۔

۳...... بغیر نیتِ اعتکاف کسی چیز کے کھانے کی اجازت نہیں۔ بہت مساجد میں دستور ہے کہ ماہِ رمضان المبارک میں لوگ نمازیوں کے لیے افطاری بھیجتے ہیں، وہ بلا نیتِ اعتکاف وہیں بے تکلف کھاتے پیتے اور فرش خراب کرتے ہیں، یہ نا جائز ہے۔

۴...... مسجد کے ایک درجے سے دوسرے درجے کے داخلے کے وقت سیدھا (دایاں) قدم بڑھایا جائے، حتیٰ کہ اگر صف بچھی ہو، اس پر بھی پہلے سیدھا قدم رکھو اور جب وہاں سے ہٹو، تب بھی سیدھا قدم فرش پر رکھو یا خطیب جب منبر پر جانے کا ارادہ کرے، پہلے سیدھا قدم رکھے اور جب اترے تو سیدھا قدم اتارے۔

۵.. ....وضو کرنے کے بعد اعضائے وضو سے چھینٹ پانی کی فرشِ مسجد پر نہ گرے۔

۶...... مسجد میں دوڑنا یا زور سے قدم رکھنا، جس سے دھمک پیدا ہو، منع ہے۔

۷...... مسجد میں اگر چھینک آئے تو کوشش کرو کہ آہستہ آواز نکلے، اسی طرح کھانسی۔

كَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُكْرِهُ الْعَطْشَةَ الشَّدِیْدَةَ فِی الْمَسْجِدِ---

اسی طرح ڈکار کو ضبط کرنا چاہیے اور نہ ہو تو حتی الامکان آواز دبائی جائے، اگر چہ غیر مسجد میں ہو۔ خصوصاً مجلس میں یا کسی معظم کے سامنے کہ بے تہذیبی ہے اور جماہی میں آواز نکالنا تو کہیں نہ چاہیے، اگر چہ غیر مسجد میں تنہا ہو کہ وہ شیطان کا قہقہہ ہے۔

۸...... مسجد میں دنیا کی کوئی بات نہ کی جائے، ہاں اگر کوئی دینی بات کسی سے کہنا ہو تو قریب جا کر آہستہ سے کہنا چاہیے، نہ کہ ایک صاحب مسجد میں کھڑے ہوئے راہ گیر سے جو سڑک پر کھڑا ہوا ہے، چلا کر باتیں کر رہے ہیں یا کوئی باہر سے پکار رہا ہے اور یہ اس کا جواب بلند آواز سے دے رہے ہیں۔

۹...... تمسخر ویسے ہی ممنوع ہے اور مسجد میں سخت ناجائز اور ہنسنا منع ہے، قبر میں تاریکی لاتا ہے، موقع سے تبسم میں حرج نہیں۔

۱۰...... فرشِ مسجد پر کوئی شے نہ پھینکی جائے بلکہ آہستہ سے رکھ دی جائے، موسمِ گرما میں لوگ پنکھا جھلتے جھلتے پھینک دیتے ہیں یا لکڑی یا چھتری وغیرہ دور سے چھوڑ دیا کرتے ہیں، اس کی ممانعت ہے، غرض مسجد کا احترام ہر مسلمان کا فرض ہے۔

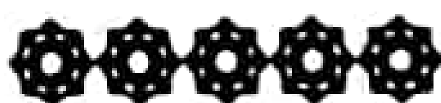
۱۱...... مسجد میں حدث منع ہے، ضرورت ہو تو باہر چلا جائے، لہٰذا معتکف کو چاہیے کہ ایامِ اعتکاف میں تھوڑا کھائے، پیٹ ہلکا رکھے کہ قضائے حاجت کے سوا کسی وقت اخراجِ ریح کے لیے مسجد سے باہر نہ جانا پڑے۔

۱۲...... قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا ہر جگہ منع ہے، مسجد میں کسی طرف نہ پھیلائے کہ خلافِ آدابِ دربار ہے۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تنہا بیٹھے تھے، پاؤں پھیلا لیا، گوشۂ مسجد سے ہاتف نے آواز دی:

"ابراہیم! بادشاہوں کے حضور میں یوں ہی بیٹھتے ہیں؟"---

معاً پاؤں سمیٹے اور ایسے بیٹھے کہ وقتِ انتقال ہی پھیلے۔

[الملفوظ، حصہ دوم، صفحہ ۱۴۵ تا ۱۴۸]



امام و خطیب کی شرعی و معاشرتی حیثیت

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

امام مسجد کی اصل ذمہ داری

امام مسجد کی اصل ذمہ داری نماز پنج گانہ میں امامت کا فریضہ ادا کرنا ہے اور بس۔ لوگوں کے دینی مسائل کے جوابات دینا اور احکامات شرعیہ کے سلسلہ میں ان کی رہنمائی کرنا در اصل امام مسجد کا نہیں خطیب یا عالم کا منصب ہے۔ کیونکہ شریعت نے امام ہونے کے لئے جو شرائط مقرر کی ہیں ان میں اس کا نماز کے مسائل سے واقف ہونا ایک شرط ہے نہ کہ دین کے جمیع احکام سے واقف ہونا اور ہم یہ بات پہلے کہہ آئے ہیں کہ اگر وہ دین کے دیگر احکام و جزئیات سے واقف ہو تو سبحان اللہ' اولیٰ ہے۔ یعنی اگر ایسا امام میسر آئے جو پورا عالم ہو تو یہ علاقہ و محلہ والوں کی خوش قسمتی ہے۔ لیکن جہاں مکمل عالم نہ ہو وہاں نماز کے مسائل کے علاوہ دیگر شرعی امور میں امام سے سوال کرنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ جب معلوم ہے کہ وہ عالم نہیں پھر اس سے اس طرح کے سوالات کئے جائیں گے تو یا تو وہ اپنی عقل سے صحیح غلط جیسا بھی بن پڑے گا جواب دے گا' یا جواب نہ دے سکنے کی صورت میں خواہ مخواہ نادم ہو گا۔

ہاں امام مسجد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو نماز میں سستی و غفلت برتنے پر روک ٹوک کرنے اور بچوں اور نوجوانوں کو نماز کا اشتیاق دلائے۔ مقررہ اوقات پر پوری نفاست و طہارت کے اہتمام کے ساتھ نماز پڑھائے اور اس بات کا خیال رکھے کہ اس کی آواز میں' اس کے انداز میں رضائے الٰہی کا حصول پیش نظر ہو' وہ مقتدیوں کو خوش کرنے کی نیت سے خوش الحانی و گلوکاری سے کام نہ لے بلکہ قواعد ترتیل کا لحاظ کرتے ہوئے متوسط آواز سے قرأت کرے۔

اتنی بلند آواز سے زور لگا کر قرأت کرنا کہ جو جہرِ مفرط کے زمرے میں آتا ہو، مکروہ ہے۔

باجماعت نماز میں امام کتنی قرأت کرے ؟

نمازوں میں قرأت کا معاملہ بھی لوگوں نے اپنی صوابدید کے مطابق بنا لیا ہے کہیں امام کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ لازمی طور پر مختصر قرأت کرے حالانکہ بظاہر ایسا کوئی عذر نہیں ہو تاکہ امام کو مختصر قرأت پر مجبور کیا جائے۔ کہیں یہ فرمائش کی جاتی ہے کہ وہ فجر کی نماز میں لازما" سورہ الرحمٰن کی تلاوت کرے۔ نماز تراویح میں امام سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ تیز رفتاری سے پڑھے۔ علیٰ ھذا القیاس، مختلف علاقوں میں مختلف طرح کے مطالبات اور مختلف طرز کی پابندیاں امام پر عائد کی جاتی ہیں۔ اور کچھ آئمہ حضرات اپنے "اجتہاد" سے کام لیتے ہوئے بھی قرأت کی مقدار میں کمی بیشی کرتے رہتے ہیں۔ لاہور کی ایک درسگاہ میں مغرب کی نماز کی ادائیگی کا موقع ملا۔ امام مسجد نے خوب خوش الحانی اور پوری طاقت و قوت سے (بغیر لاؤڈ اسپیکر کے) طویل سورتوں میں سے آیات کا انتخاب کیا اور مغرب کی دونوں رکعتوں میں مجموعی طور پر کوئی چالیس کے قریب آیات تلاوت کیں۔ بعد نماز امام صاحب سے ملاقات ہوئی کسی نے تعارف بھی کرا دیا وہ پہلے سے ہمارا نام سن چکے تھے۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کو کہا اسی دوران ہم نے ان سے سوال کیا کہ آپ نے مغرب میں طویل قرأت کی، کیوں؟ پہلے تو وہ ٹال گئے مگر پھر اصرار پر انہوں نے بتایا کہ مغرب کی نماز ہی میں نمازی زیادہ ہوتے ہیں اور امام کو اس نماز میں ذرا اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملتا ہے۔ اسی طرح کے خیالات اور کئی آئمہ سے بھی سننے کا اتفاق ہو چکا ہے۔ چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں قرأت کی مقدار سے متعلق شرعی مسئلہ واضح کرنے کی غرض سے فقہاء کے اقوال نقل کئے جائیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

"اگر سفر میں اضطرار ہو مثلاً کوئی خوف ہو یا چلنے کی جلدی ہو تو سنت یہ ہے کہ الحمد کے ساتھ جونسی سورت چاہے پڑھ لے اور اگر حضر میں اضطرار ہو اور وہ یہ ہے کہ وقت تنگ ہو یا اپنی جان کا یا مال کا خوف ہو تو سنت یہ ہے کہ اس قدر پڑھ لے کہ جس سے وقت اور امن فوت نہ ہو جاوے۔ اور سفر میں حالت اختیار ہو مثلاً وقت میں وسعت اور امن اور قرار ہے تو سنت یہ ہے کہ فجر کی نماز میں بروج یا مثل اس کے کوئی اور سورت پڑھے تاکہ سنت قرآن کی رعایت اور رخصتِ سفر کی تخفیف دونوں جمع ہو جاویں۔ اور ظہر میں بھی اسی قدر پڑھے اور عصر اور

عشاء میں اس سے کم اور مغرب میں بہت چھوٹی سورتیں پڑھے اور حضر میں سنت یہ ہے کہ فجر کی نماز کی دونوں رکعتوں میں الحمد کے سوا چالیس یا پچاس آیتیں پڑھے اور جامع صغیر میں لکھا ہے کہ ظہر میں بھی مثل فجر کے پڑھے اصل میں ہے کہ یا اس سے کم پڑھے اور عصر اور عشاء میں الحمد کے سوائے بیس آیتیں پڑھے اور مغرب کی ہر رکعت میں چھوٹی سورۃ پڑھے اور فقہاء نے یہ مستحسن کہا ہے کہ حضر میں فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل پڑھے اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل پڑھے اور مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھے۔ طوالِ مفصل سورۂ حجرات سے سورۂ بُروج تک کی سورتیں ہیں اور اَوساطِ مفصّل سورۂ بُروج سے لَم یَکُن تک اور چھوٹی سورتیں لم یکن سے آخر تک۔ اور تتمیہ میں ہے کہ اگر مکروہ وقت میں عصر پڑھتا ہو تو بھی ٹھیک یہ ہے کہ قرأت مسنون پوری پڑھے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے وتر کی نماز میں الحمد کے سوا کوئی اور سورۃ معین نہیں ہے پس جو کچھ پڑھ لے بہتر ہے(۱۷) لیکن نبی ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی اور قل یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ اور قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَد پڑھی ہے پس کبھی تبرکاً یہ سورتیں پڑھے اور کبھی ان کے سوا اور سورتیں پڑھے تاکہ باقی قرآن کے چھوٹ جانے سے بچ جاوے۔ اور قرأت مستحبہ پر زیادتی نہ کرے اور نماز کو جماعت پر بھاری نہ کردے(۱۸) لیکن پوری سنت اور مستحب قرأت ادا کرنے کے بعد تخفیف کا لحاظ چاہئے اور فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں بہ نسبت دوسری رکعت کے قرأت(۱۹) طویل کرنا بالاجماع مسنون ہے امام محمد نے کہا ہے کہ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ سب نمازوں میں پہلی رکعت کو بہ نسبت دوسری رکعت کے دراز کرے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ زاہدی اور معراج الدرایہ میں لکھا ہے اور حجتہ میں فتویٰ کے واسطے یہی لیا گیا ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اور اسی طرح خلاف(۲۰) جمعہ اور عیدین میں ہے یہ بدائع میں لکھا ہے اور پھر مشائخ کا ایک اور بھی اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے کہ دونوں رکعتوں میں فرق ایک ثلث اور دو ثلث کا ہو یعنی دو ثلث قرأت پہلی رکعت میں پڑھے اور ایک ثلث دوسری رکعت میں اور شرح طحاوی میں ہے کہ پہلی رکعت میں تیس آیتیں پڑھے تو دوسری رکعت میں دس بیس آیتیں پڑھے یہ محیط میں لکھا ہے یہ بیان اَولویّت کا تھا اور حکم یہ ہے کہ فرق اگر بہت ہو مثلاً پہلی رکعت میں ایک یا دو سورہ پڑھے اور دوسری رکعت میں تین آیتیں پڑھے تو مضائقہ نہیں یہ ظہیریہ میں لکھا ہے اور جامع صغیر کی بعض شروح میں مذکور ہے کہ بلاخلاف دوسری رکعت کو پہلی رکعت پر بقدر تین آیتوں کے یا اس سے زیادہ کے طویل کرنا مکروہ ہے اور اگر اس سے کم طویل کرے تو

مکروہ نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے مرغینانی نے کہا ہے کہ تطویل کا آیتوں سے اس وقت حساب ہوتا ہے جب آیتیں برابر ہوں اور اگر آیتیں بڑی چھوٹی ہوں تو کلمات اور حروف سے تطویل کا حساب کیا جائے گا یہ تبیین میں لکھا ہے اور مکروہ ہے کہ کسی نماز کے واسطے کوئی سورہ مقرر کرلے طحاوی اور اسبیجابی نے یہ کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ اس نماز میں اس سورہ کو اس طرح یقینی واجب سمجھ لے کہ اس کے سوا اور سورہ کو ناجائز یا مکروہ سمجھ لے۔ لیکن اگر آسانی کے واسطے کوئی سورہ مقرر کرلے یا جو سورۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوئی ہے اس کو تبرکا" پڑھا کرے تو اس میں کراہت نہیں لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے کہ اس کے سوا کبھی کبھی اور سورہ بھی پڑھا کرے تا کہ کوئی جاہل یہ نہ سمجھ لے کہ اس کے سوا اور کوئی سورہ جائز نہیں یہ تبیین میں لکھا ہے اور افضل یہ ہے کہ فرض کی ہر رکعت میں الحمد کے سوا ایک پوری سورہ پڑھے اور اگر عاجز ہو تو ایک سورۃ دو رکعتوں میں تمام کرلے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور اگر ایک سورہ میں سے کچھ ایک رکعت میں پڑھا اور کچھ دوسری رکعت میں تو بعضوں نے کہا ہے مکروہ ہے اور بعضوں نے کہا ہے مکروہ نہیں ہے اور یہی صحیح ہے یہ ظہیریہ میں لکھا ہے لیکن ایسا کرنا نہ چاہئے اور اگر کرے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اگر ایک رکعت میں ایک سورہ کے بیچ میں سے یا اخیر میں سے پڑھے اور دوسری رکعت میں دوسری سورہ کے درمیان یا اخیر سے پڑھے تو ظاہر روایت کے بموجب ایسا کرنا نہ چاہئے لیکن اگر کرے تو مضائقہ نہیں یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور حجتہ میں ہے کہ ایک رکعت میں ایک سورہ کا آخر پڑھا اور دوسری رکعت میں کوئی چھوٹی سورۃ پوری پڑھی مثلاً ایک رکعت میں آمَنَ الرَّسُولُ کا رکوع پڑھا اور دوسری رکعت میں قُل ہُوَ اللہُ اَحَد پڑھی تو مکروہ نہیں یہ تاتار خانیہ میں لکھا ہے دونوں رکعتوں میں آخر سورۃ پڑھنا ایسی پوری چھوٹی سورۃ سے افضل ہے جس کی بہ نسبت آخر سورہ کا ٹکڑا آیتوں میں زیادہ ہو اور اگر چھوٹی پوری سورہ اس آخر سورہ سے آیتوں میں زیادہ ہو تو سورۂ قصیرہ کا پڑھنا افضل ہے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے اور ایک طویل آیت جیسے آیت المداینہ یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا چاہے تو اس کی اولیت میں بھی اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اگر تین آیتیں ایک چھوٹی سورۃ کے برابر ہو جاویں تو انہیں کا پڑھنا افضل ہے یہ تاتار خانیہ میں لکھا ہے اور اگر ایک رکعت میں ایسی دو سورتیں پڑھے کہ ان دونوں کے درمیان ایک یا کئی سورہ کا فصل ہے تو مکروہ ہے اور اگر دو رکعتوں میں دو سورتیں پڑھے تو اگر

آسانی کے واسطے

ایک رکعت میں دو سورۃ

ان دونوں میں کئی سورہ کا فصل ہے تو مکروہ نہیں اور اگر ایک سورہ کا فصل ہے تو بعضوں نے کہا ہے مکروہ ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اگر بڑی سورۃ کا فصل ہے تو مکروہ نہیں یہ محیط میں لکھا ہے جیسے کہ دو چھوٹی سورۃ کہ فصل میں مکروہ نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ کسی حالت میں مکروہ نہیں اور اگر ایک رکعت میں ایک سورۃ پڑھی اور دوسری رکعت میں یا اسی رکعت میں اس سے اوپر کی سورۃ پڑھی تو مکروہ ہے اسی طرح اگر ایک رکعت میں ایک آیت پڑھی اور دوسری رکعت میں یا اسی رکعت میں اس سے اوپر کی آیت پڑھی تو مکروہ ہے اور اگر ایک رکعت میں یا دو رکعتوں میں دو آیتیں ایسی پڑھیں جن کے درمیان میں ایک یا کئی آیتوں کا فصل ہے تو ان کا حکم وہی ہے جو سورتوں کا حکم مذکور ہو چکا ہے یہ محیط میں لکھا ہے یہ سارا بیان فرضوں کا تھا سنتوں میں مکروہ نہیں یہ محیط میں لکھا ہے اگر ایک رکعت میں ایک سورۃ پڑھے تو مختار یہ ہے کہ اسی طرح پڑھتا رہے چھوڑ نہ دے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔

اگر ایک سورہ شروع کی اور ایک یا دو آیتیں پڑھنے کے بعد دوسری سورۃ شروع کرنیکا ارادہ کیا تو مکروہ ہے اور یہی حکم ہے اس صورت میں کہ آدھی آیت سے کم پڑھ چکا ہے اگرچہ ایک ہی حرف کم ہو اگر رکوع کے واسطے تکبیر کہہ لی پھر اسی قرأت میں اور زیادتی کرنا چاہی تو اگر رکوع نہیں کرلیا ہے تو مضائقہ نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر صرف الحمد (۲۱) پڑھی یا الحمد کے ساتھ ایک یا دو آیتیں پڑھیں تو یہ مکروہ ہے یہ محیط میں لکھا ہے جو شخص نماز میں سارا قرآن تمام کرے وہ جب معوذتین یعنی سور قُل اَعوذُ بِرَبِّ الفَلَق اور قُل اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاس ایک رکعت میں پڑھ چکے تو دوسری رکعت میں الحمد کے بعد سورۃ بقر میں سے پڑھے یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور حجتہ میں ہے کہ قرآن سات قرأتوں اور سب روایتوں سے پڑھنا جائز ہے لیکن میرے نزدیک ٹھیک یہ ہے کہ عجیب قرأتیں اِمالوں کے ساتھ اور جو غریب روایتوں سے ثابت ہوئی ہیں نہ پڑھے یہ تاتار خانیہ میں لکھا ہے۔



ربانی تاثرات

حافظ مظہر الدین

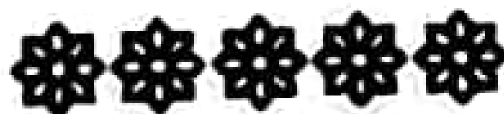
حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ نماز کی دوسری رکعت میں اگر کوئی التحیات کے بعد درود شریف پڑھ لے تو اس پر سجدۂ سہو لازم آ جاتا ہے--- امام صاحب نے جب شروع میں یہ فتویٰ دیا تو بعض لوگوں نے کہا کہ رسول اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کے باعث سجدۂ سہو کیسے لازم ہو گیا؟--- یہ تو افضل ترین عبادت ہے--- یہ سوال چونکہ جذباتی انداز میں اٹھایا گیا تھا، اس لیے امام صاحب نے بھی جواب میں اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا--- فرمایا کہ سجدۂ سہو درود شریف پڑھنے پر لازم نہیں آتا--- یہ تو سزا ہے بھول چوک کی--- ان بارگاہوں میں تو حضورِ قلب کے ساتھ اور غایت درجہ خشوع و خضوع سے درود شریف پیش کرنا چاہیے، یہ غفلت کیسی؟--- سجدۂ سہو کی سزا میں غفلت پر دے رہا ہوں تاکہ کوئی غافل نہ ہونے پائے--- یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ ہے، جو پوری امت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے موسوم ہیں--- امام رحمۃ اللہ علیہ اگر اس حقیقت سے پردہ نہ اٹھاتے تو دوسرے لوگوں کو اس حقیقت سے آگاہی نہ ہوتی--- مجتہد جب کوئی مسئلہ بیان کرتا ہے تو علت اسی کی نظر میں ہوتی ہے--- دلائل و براہین وہ عوام کے سامنے پیش نہیں کرتا اور ہر دلیل کو ہر انسان سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا--- ہاں ائمہ کے درمیان جب کوئی نزاع رونما ہوا ہے تو انہوں نے اپنے دلائل بیان کیے ہیں اور دوسرے کے سنے ہیں--- اور اسی نوع کے کسی مسئلے کے متعلق اگر عوام کی طرف سے اعتراض کیا گیا ہے تو ان بزرگوں نے مخاطب کے فہم و ذکا اور علمی استعداد کے مطابق جواب دے کر اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے--- عوام کے سامنے وہ جوابات پیش نہیں کیے گئے،

جن کا خالصتاً علمی مباحث سے تعلق تھا---

اللہ تعالیٰ کی سنت بھی یہی ہے، وہ بھی ہر ایک کے ساتھ یکساں لب و لہجے میں بات نہیں کرتا--- کافروں کے ساتھ انداز خطاب اور ہے اور مومنوں کے ساتھ اور ہے--- مومنوں کو بھی قرآن تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے--- ایک قسم کو ظالم علی النفس کے نام سے موسوم کرتا ہے--- ایک کو مقتصد کہا گیا ہے اور ایک کو سابق بالخیرات کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے--- مسلمانوں کی یہ تینوں قسمیں دنیا ہی میں اپنے اپنے مقامات و درجات کے اعتبار سے مختلف نہیں، اُخروی زندگی میں بھی ان کے مقامات و درجات مختلف ہوں گے--- پہلا گروہ جو نفسانی خواہشات کو کچل کر رب تعالیٰ کی رضا کا طالب ہوتا ہے، وہ بھی فائز المرام ہے--- میانہ روی اور اعتدال کی راہ اختیار کرنے والے کو بھی مقبولوں کی صف میں جگہ دی گئی ہے--- لیکن سابق بالخیرات کی اور شان ہے--- یہ صدیقین ہیں، جو تمام مصلحتوں کو نظر انداز کر کے صدیق کی طرح خدا کی راہ میں گھر لٹا دیتے ہیں اور مقام صدیق پر کھڑے ہو کر رب تعالیٰ کی قدرت کا تماشا دیکھتے ہیں--- ظاہر ہے کہ ہر آنے والے کے ساتھ میزبان یکساں سلوک نہیں کرتا--- بعض کو مہمان داری کے ظاہری آداب و رسوم کے ساتھ نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور بعض کے سامنے کلیجہ نکال کر رکھ دینے سے بھی ذوق آسودہ نہیں ہوتا--- مہمان جو رتبہ، مقام اور جو شان لے کر وارد ہوتا ہے، وہی میزبان کو متاثر کرتی ہے---

ربانی تاثرات کا بھی یہی حال ہے--- اسی لیے آخرت کے بعض مہمانوں کے لیے کہا گیا ہے کہ میں آگے بڑھ کر جنت کے ہر دروازے پر ان کا استقبال کروں گا--- ان کے لیے جنت کے دروازے کھلے رہیں گے اور انہیں عرش کے سائے کے نیچے جگہ دی جائے گی---

ہر مہمان، میزبان کا دل نہیں لوٹ سکتا--- جو میزبان کے لیے لٹ جائے، اپنا سب کچھ نثار کر دے، وہ مہمان بن کر آ جائے تو کیفیتیں اور ہوتی ہیں--- اس وقت مہمان داری کے اصول بدل جاتے ہیں--- رسوم و قیود کی دنیا ختم ہو جاتی ہے--- یہ ملاقات دو مشتاق روحوں کی ملاقات ہوتی ہے--- جہاں ذوق و شوق کے سوا کچھ نہیں ہوتا--- لطافت ہی مہمان ہوتی ہے اور لطافت ہی میزبان--- معانی و مطالب کا ایک جہان ہوتا ہے جو دونوں کے گرد رقص کرتا ہے---



اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

حی علی الصلوٰۃ

اکتیسویں قسط

نماز اشراق

پروفیسر خلیل احمد نوری

نماز اشراق، سورج طلوع ہونے کے بیس منٹ بعد پڑھی جاتی ہے۔ نماز فجر ادا کرنے کے بعد ذکر الٰہی، درود شریف، استغفار، تلاوت اور تسبیح وغیرہ میں مصروف رہیں۔ اس دوران دنیاوی باتوں سے پرہیز کریں اور سورج کے بلند ہو جانے پر دو یا چار رکعت نفل پڑھیں۔ مطالعہ کتب یا بچوں کی تعلیم یا کسی اور ضروری کام کی وجہ سے مصروف ہو جائیں تو بھی ان نوافل کو ادا کر لینا باعث ثواب و برکت ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''جس شخص نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی، پھر بیٹھ کر ذکر کرتا رہا اور سورج طلوع ہونے پر دو رکعت نماز ادا کی تو اسے ایک حج اور عمرہ کا ثواب ملے گا''۔----[ترمذی، ابواب السفر]

حضور ﷺ کا معمول مبارک بھی یہی تھا کہ آپ نماز فجر کے بعد اسی جگہ تشریف فرما رہتے اور سورج بلند ہونے کے بعد نماز اشراق پڑھتے تھے۔ ایک حدیث پاک میں ارشاد فرمایا:

''نماز اشراق ادا کرنے والا گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح وہ پیدا ہوتے وقت گناہوں سے پاک تھا''۔----[الترغیب والترہیب]

نماز اشراق کا طریقہ عام نوافل کی طرح ہے، ان کی نیت بھی عام نفلوں کی طرح کریں اور جس طرح مغرب اور عشاء کی نمازوں کے آخر میں نفل پڑھے جاتے ہیں، اسی طرح ادا کریں۔

نماز چاشت

نماز چاشت کا وقت فجر کی نماز سے تقریباً تین گھنٹے گزر جانے کے بعد شروع ہو کر زوال سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے تک رہتا ہے۔ اس کی کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں، بارہ رکعتیں پڑھنا افضل ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''جس آدمی نے چاشت کی نماز دو رکعتیں پڑھ لی، وہ غافلوں میں نہیں لکھا جائے گا، جس نے چار رکعتیں پڑھیں، اسے عابدوں میں شمار کیا جائے گا۔ جس نے چھ رکعتیں پڑھیں، وہ اس کے لیے اس روز کی نفلی عبادت کے لیے کافی ہو جائیں گی۔ جو آٹھ رکعتیں پڑھے، اسے اللہ تعالیٰ اطاعت گزاروں میں شمار کرے گا اور جس نے بارہ رکعتیں ادا کیں تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا'' ----- [الترغیب والترہیب]

ایک اور حدیث پاک میں ہے، حضور ﷺ نے فرمایا:

''آدمی پر اس کے بدن کے ہر جوڑ کے بدلے میں صدقہ ہے، ہر تسبیح پڑھنا صدقہ ہے، ہر حمد بیان کرنا صدقہ ہے، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، اچھی بات بتانا صدقہ ہے، بری بات سے روکنا صدقہ ہے اور ان سب کی طرف سے چاشت کی دو رکعتیں پڑھ لینا کافی ہو جاتا ہے'' ------ [مسلم بحوالہ مشکوٰۃ]

نماز چاشت رزق کی وسعت کے لیے اکسیر ہے، اس سے فقر کی مصیبت دور ہوتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ توفیق دے تو یہ نماز ضرور ادا کریں۔ نماز چاشت کے نفل بھی عام طریقے کے مطابق ادا کیے جاتے ہیں، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین دفعہ آیت الکرسی اور تین دفعہ سورۂ اخلاص پڑھنے کی حدیث پاک میں ترغیب دی گئی ہے۔

صلوٰۃ الاوابین

صلوٰۃ الاوابین، نماز مغرب کے فوراً بعد ادا کی جاتی ہے، اس کی چھ رکعتیں ہیں، دو دو رکعتیں پڑھیں۔ ادائیگی کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں ہے، عام نفلوں کی طرح ادا کریں۔ ایک حدیث پاک میں ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو شخص مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعتیں پڑھے گا، اس کے سب گناہ بخش دیے جائیں گے، اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں'' ----- [ترمذی]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

صلوٰۃ الاوابین کا مطلب ہے "اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کی نماز" اسی سے اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر توفیق الٰہی میسر ہو تو نماز مغرب کے بعد الگ سے چھ نفل پڑھ لیں، ورنہ نماز مغرب کی دو سنتوں اور دو نفلوں کے ساتھ دو نفل اور پڑھ لیں۔ یہ کل چھ رکعتیں اوابین کی چھ رکعتوں کے قائم مقام ہو جائیں گی۔

صلوٰۃ التسبیح

نفلی نمازوں میں صلوٰۃ التسبیح کی بہت فضیلت ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اس نماز کی فضیلت معلوم ہو جانے کے بعد بھی کوئی اسے نہ پڑھے تو پھر اس نے دین کی کوئی قدر نہیں کی۔ اس کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا جان حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا خصوصی اکرام فرماتے ہوئے انہیں اس کی اہمیت و فضیلت بتائی اور اس کا طریقہ بھی تعلیم فرمایا۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اے چچا جان! کیا میں آپ کو عطیہ نہ دوں اور کیا میں آپ کو ایسی مفید چیز نہ بتا دوں جس کے باعث اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے، پرانے، نئے، غلطی سے کیے ہوئے یا جان بوجھ کر، چھوٹے، بڑے گناہ، چھپ کر کیے ہوں یا علانیہ، سب معاف فرما دے گا؟ ----- [ابوداؤد، باب صلوٰۃ التسبیح]

پھر حضور ﷺ نے ان کو صلوٰۃ التسبیح کا طریقہ بتایا اور فرمایا کہ اگر ہو سکے تو یہ نماز ہر روز ایک بار پڑھو، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر مہینہ میں ایک بار پڑھو اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو سال میں ایک بار پڑھو اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر میں ایک بار ضرور پڑھو۔

نماز تسبیح کا طریقہ

نماز تسبیح کی چار رکعتیں ہیں، جو اکٹھی ایک سلام کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ مکروہ و ممنوع اوقات کے علاوہ کسی وقت بھی آپ ادا کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلے نیت کریں اور اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیں۔ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ پڑھیں اور پھر پندرہ مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں:

سُبْحٰنَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ -----

پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر سورت فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھیں۔ اس کے بعد اب دوبارہ یہی تسبیح دس بار پڑھ کر رکوع میں جائیں اور پہلے رکوع کی تسبیح سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم تین یا پانچ بار پڑھیں اور پھر دس بار یہی تسبیح پڑھیں۔ پھر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہہ کر کھڑے کھڑے قومہ میں یہ تسبیح دس بار پڑھیں۔ اب اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ کریں

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی لَہٗ

اور پہلے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی تین یا پانچ بار کہہ کر یہ تسبیح دس بار پڑھیں، پھر سجدہ سے سر اٹھائیں اور دو سجدوں کے درمیان یہ تسبیح دس بار پڑھیں اور دوسرے سجدہ میں بھی سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کے بعد دس بار یہ تسبیح پڑھیں۔ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو کر سب سے پہلے یہ تسبیح پندرہ بار پڑھیں، پھر اَعُوْذُ بِاللّٰہ، بِسْمِ اللّٰہ پڑھ کر سورہ فاتحہ پڑھیں اور کوئی سورت بھی ملائیں۔ اس کے بعد یہ تسبیح دس بار پڑھیں، پھر رکوع میں دس بار، قومہ میں دس بار، دونوں سجدوں میں دس دس بار اور سجدوں کے درمیانی وقفہ (جلسہ) میں دس بار پڑھیں، دوسرے سجدے کے بعد قعدہ کے لیے بیٹھ جائیں اور التحیات، درود شریف اور دعا بھی پڑھیں اور تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ تیسری رکعت میں پہلے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ پڑھ کر پندرہ بار، پھر فاتحہ اور سورت کے بعد دس بار، رکوع و سجود اور قومہ اور جلسہ میں ہر جگہ دس دس بار یہ تسبیح پڑھیں، چوتھی رکعت میں بھی اسی طرح فاتحہ اور سورت سے پہلے پندرہ بار، سورت کے بعد دس بار اور رکوع، دونوں سجدوں میں اور سجدوں کے درمیان دس دس بار پڑھیں۔ اس طرح چاروں رکعتوں میں یہ تسبیح کل تین سو بار پڑھی جائے گی۔

نوٹ

❁...... تسبیحات زبان سے نہ گنیں بلکہ انگلیاں جہاں رکھی ہیں، وہیں رکھے رکھے دباتے جائیں۔ اگر کسی جگہ تسبیح کم رہ جائے تو کسی دوسرے رکن میں یہ گنتی پوری کر لیں۔ کم نہ ہو زیادہ ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

❁...... اگر نماز میں ایسی بھول ہو جائے جس پر سجدہ سہو لازم ہو تو سجدہ سہو میں تسبیح نہ پڑھیں۔

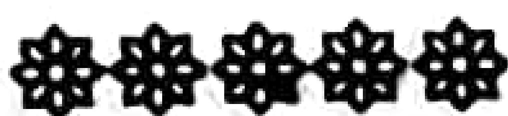
❁ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا کہ اس نماز کے لیے کوئی خاص سورت بھی آپ کو یاد ہے؟ فرمایا، ہاں، چاروں رکعتوں میں اس ترتیب کے ساتھ:

۱	اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ	۲	وَ الْعَصْرِ
۳	قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ	۴	قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ

نماز حاجت

جب کوئی مشکل درپیش ہو تو اس مشکل سے نجات کے لیے نماز پڑھی جاتی ہے، مثلاً کوئی آدمی مریض ہو جائے، مقروض ہو، ناجائز مقدمہ ہو یا کوئی ذہنی و جسمانی پریشانی ہو تو اس سے نجات پانے کے لیے نماز حاجت پڑھیں۔

[جاری ہے]



حی علی الصلوٰۃ

بتیسویں قسط

نماز استخارہ

پروفیسر خلیل احمد نوری

جب کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں تردد ہو یا یہ تردد ہو کہ کام کس وقت کیا جائے تو آپ استخارہ کریں۔ استخارہ کا مطلب ہے بھلائی اور خیر طلب کرنا۔ جب کوئی ایسا کام درپیش ہو، جس کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہو تو استخارہ پڑھیں، مثلاً مکان کی تعمیر، رشتہ کرنا، کاروبار شروع کرنا یا سفر پر جانا ہو تو نماز استخارہ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ خیر اور بھلائی کی طرف رہنمائی فرما دیتا ہے۔

نماز استخارہ کا طریقہ

اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز استخارہ کی نیت کر کے دو نفل پڑھیں۔ بہتر یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ اَلْکَافِرُوْنَ اور دوسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھیں۔ سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَ اَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ، فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَ لَا اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَ لَا اَعْلَمُ وَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ، اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ (یہاں اپنے مقصد کا ذکر کرے) خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْہُ لِیْ وَ یَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ (یہاں اپنے مقصد کا ذکر کرے) شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَ اصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَ اَقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِہٖ----[بخاری]

"اے اللہ! میں تیرے علم کے ساتھ تجھ سے استخارہ کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ساتھ طاقت طلب کرتا ہوں، تجھ سے تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں اس لیے کہ تو قادر ہے اور میں قادر نہیں، تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو غیب کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ اگر تیرے علم کے مطابق میرے لیے یہ کام میرے دین، معیشت اور انجام کار میں

بہتر ہے تو مجھے اس پر قدرت عطا فرما اور اسے میرے لیے آسان کر دے، پھر مجھے اس کام میں برکت عطا فرما اور اگر تیرے علم کے مطابق یہ کام میرے دین، میری معیشت اور انجام کار کے اعتبار سے میرے لیے برا ہے تو اسے مجھ سے اور مجھے اس سے پھیر دے اور میرے لیے بھلائی مقدر فرما دے، جہاں بھی ہو پھر مجھے اس پر راضی رکھ"---

نماز استخارہ پڑھنے سے جو بات آپ کے حق میں بہتر ہوگی، اسی کا خیال دل میں جم جائے گا اور دل اس کے کرنے یا نہ کرنے پر مطمئن ہوتا جائے گا۔ نماز استخارہ بار بار پڑھیں۔ یہاں تک کہ مقصد واضح ہو جائے۔ استخارہ کا کوئی وقت معین نہیں، البتہ بعض علماء نے بیان فرمایا کہ نماز استخارہ رات کو پڑھ کر باوضو قبلہ رخ ہو کر سو جائیں۔ اگر خواب میں سفید یا سبز رنگ دکھائی دے تو اس کام کا کرنا آپ کے حق میں بہتر اور فائدہ مند ہے اور اگر خواب میں سیاہی یا سرخی دیکھیں تو اس کام کو چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے۔ جائز کام کے لیے استخارہ کریں، ناجائز کام کے لیے نہ کریں۔ عبادت کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق استخارہ نہیں ہے۔ مثلاً حج ایک عبادت ہے، اس کے کرنے یا نہ کرنے یا روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں استخارہ نہیں ہوتا۔

نماز حاجت

جب کوئی مشکل در پیش ہو تو اس مشکل سے نجات کے لیے نماز پڑھی جاتی ہے مثلاً کوئی آدمی مریض ہو جائے، مقروض ہو، ناجائز مقدمہ ہو یا کوئی ذہنی و جسمانی پریشانی ہو تو اس سے نجات پانے کے لیے نماز حاجت پڑھیں۔

نماز حاجت کا طریقہ

عام نفلوں کی طرح دو رکعت نفل پڑھیں، مکروہ اوقات کے علاوہ کسی وقت بھی پڑھ لیں۔ عشاء کی نماز کے بعد زیادہ بہتر ہے۔ پہلی رکعت میں تین بار آیت الکرسی، دوسری میں سورہ اخلاص یا کوئی بھی سورت پڑھ لیں۔ سلام پھیرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں درود شریف پیش کریں۔ اس کے بعد درج ذیل دعا مانگیں:

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ الْـحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، اَلْـحَـمْـدُ لِـلّٰـهِ رَبِّ الْعَالَـمِيْـنَ، اَسْئَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَ عَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ وَ الْغَنِيْمَةَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَّ السَّلَامَةَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَ لَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَ لَا حَاجَةً هِیَ لَکَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ---[ترمذی، ابن ماجہ]

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بردبار اور کریم ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے، وہ عرش عظیم کا مالک ہے اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ اے اللہ! میں تجھ سے ان کاموں کا سوال کرتا ہوں جو تیری رحمت کا باعث ہوں اور تیری بخشش کو لازم کر دینے والی باتوں کو طلب کرتا ہوں اور ہر نیکی کا حاصل اور خلاصہ، اور ہر گناہ سے سلامتی مانگتا ہوں۔ تو میرے لیے کوئی گناہ ایسا باقی نہ رہنے دے، جس کو تو بخش نہ دے اور نہ کوئی غم جسے تو دور نہ کر دے اور ہر ایسی حاجت جس میں تیری رضا ہو، تو اسے پورا کر دے، اے سب رحم کرنے والوں سے بڑے رحم فرمانے والے''---

ایک اور دعا بھی منقول ہے۔ حدیث پاک میں ہے، ایک نابینا صحابی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے میرے لیے بینائی کی دعا فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا، اگر تو چاہے تو اپنی بینائی پر صبر کر کیوں کہ یہ تیرے حق میں بہتر ہے۔ انہوں نے دوبارہ دعا کی درخواست کی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ دعا ارشاد فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَ اَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی لِیْ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ لِیْ---

''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی، نبی رحمت کے واسطے سے متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد ﷺ میں آپ کے ذریعہ سے اپنے پروردگار کی طرف، اپنی اس حاجت کے لیے متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میرے لیے اس کو پورا کر دیا جائے۔ اے اللہ! تو ان کی شفاعت کو میرے حق میں قبول فرما''---

صلوٰۃ الحاجت، حاجت روائی کے لیے مجرب ہے۔ اہل اللہ نے اس طریقہ سے نماز پڑھ کر اپنی ضرورتیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیں، ان کا کام پورا ہو گیا۔

تحیۃ الوضو

تحیۃ الوضو دو رکعت نفل نماز کا نام ہے، جو وضو کے بعد ادا کی جاتی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

''جو شخص خوب اچھی طرح وضو کرے، پھر کھڑا ہو کر دو رکعت نفل پڑھے، اس دوران میں دل و جان سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے تو اس کے اگلے پچھلے گناہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی لَہٗ

معاف کر دیے جائیں گے"---[صحیح مسلم]

ایک بار حضور ﷺ نے نماز فجر کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اے بلال! تمہارا وہ کون سا عمل ہے، جس کی قبولیت کی تمہیں زیادہ امید ہو، کیوں کہ میں نے تیرے جوتوں کی آواز جنت میں اپنے سامنے سنی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اور تو کوئی ایسا عمل نہیں، ہاں میں جب طہارت کرتا ہوں، اس کے ساتھ نماز ضرور ادا کر لیتا ہوں، یعنی تحیۃ الوضو پڑھتا ہوں[مشکوٰۃ، باب التطوع] اس کا طریقہ عام نوافل کی طرح ہے۔

تحیۃ المسجد

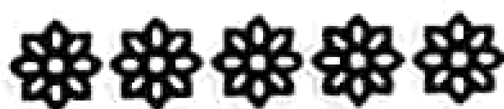
یہ نماز، تعظیم واحترام مسجد کے لیے پڑھی جاتی ہے اور مسجد کا حق ہے۔ اس لیے یہ نماز اس وقت پڑھیں، جب آپ مسجد میں داخل ہوں، بشرطیکہ طلوع وغروب اور زوال آفتاب کا وقت نہ ہو اور نہ ہی نماز فجر سے پہلے یا بعد اور نماز عصر کے بعد بھی نہ پڑھیں۔ کیوں کہ یہ ممنوع ومکروہ اوقات ہیں۔ ان اوقات میں مسجد میں جائیں تو تحیۃ المسجد کی بجائے سُبْحَانَ اللّٰہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور اَللّٰہُ اَکْبَر تین مرتبہ پڑھ لیں اور اس کے بعد حضور ﷺ کی بارگاہ میں درود شریف کا نذرانہ پیش کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، مسجدوں کا حق ادا کرو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مسجدوں کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"مسجد کا حق یہ ہے کہ اس میں داخل ہونے والا بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھ لے"---[مرقات]

اگر مسجد میں جا کر بیٹھ جائیں اور اس کے بعد تحیۃ الوضو پڑھیں تو بھی کچھ حرج نہیں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ بیٹھنے سے پہلے پڑھ لیں۔

بار بار مسجد میں جائیں تو ایک دن میں ایک بار تحیۃ المسجد پڑھ لینا کافی ہوگا۔ جماعت کا وقت قریب ہو تو سنت یا فرض پڑھ لینے سے تحیۃ المسجد کا ثواب مل جائے گا، اس لیے الگ پڑھنا ضروری نہیں ہے بلکہ جماعت کا وقت قریب ہو تو جماعت کے ساتھ شامل ہوں، وقت ہو تو بیٹھنے سے پہلے ضرور یہ نفل پڑھیں۔ اس کا طریقہ عام نفلوں کی طرح ہے۔ بس دو رکعت نفل کی نیت کریں اور دیگر نوافل کی طرح ادا کریں۔ ممکن ہو تو دو کے بجائے چار رکعتیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔

[جاری ہے]



نماز تراویح اور ختم قرآن

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

نماز تراویح میں ختم قرآن کا اہتمام سب سے پہلے حضرت سیدنا عمر فاروق ﷛ نے کیا تاکہ ماہِ رمضان میں نماز تراویح میں ایک بار مکمل قرآن کریم تلاوت کیا جائے۔ چناں چہ آپ کی قائم کردہ اس سنت پر دنیا بھر کے مسلمان آج بھی عمل پیرا ہیں۔

البتہ آج جس طرح ہم نماز تراویح میں ختم قرآن کرتے ہیں، اگر حضرت سیدنا عمر فاروق ﷛ اس دور میں ہوتے تو ہمارا یہ انداز تلاوت و سماعتِ قرآن دیکھ کر یا تو اس کی اصلاح کی خاطر بعض ائمہ تراویح اور منتظمین کو کوڑے لگواتے یا اس سلسلے کو سرے سے موقوف فرما دیتے، کیوں کہ نماز تراویح میں جس تیز رفتاری سے قرآن کریم پڑھا جاتا ہے، وہ نماز تراویح یعنی قیام رمضان کی اصل روح کے سراسر منافی ہے۔ نماز تراویح یا قیام رمضان کا مقصد تو یہ تھا کہ عام مہینوں کی بہ نسبت

اس ماہ میں زیادہ دیر تک راتوں کو عبادت کی جائے اور قرآن کریم زیادہ اہتمام کے ساتھ کثرت سے تلاوت وسماعت کیا جائے، لیکن بدقسمتی سے ہمارے موجودہ معاشرے میں نماز تراویح میں ختم قرآن اب ایک رسم سے زیادہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ ایسے حافظ یا امام کے پیچھے نماز تراویح پڑھنا پسند کرتے ہیں جو انھیں جلد از جلد تراویح پڑھا کر فارغ کردے۔ ایسے حفاظ کرام کو پکا اور صحیح حافظ سمجھا جاتا ہے، جو انتہائی تیز رفتاری سے تلاوت قرآن کریں اور اس میں غلطی یا بھول چوک بھی نہ ہو۔ نوجوان طبقہ خاص طور سے اس طرف مائل دکھائی دیتا ہے اور ایسی بہت سی مساجد جہاں مناسب رفتار سے ترتیل کے ساتھ، الفاظ کی صحیح ادائیگی کا لحاظ کرتے ہوئے نماز تراویح میں تلاوت ہوتی ہو، مقتدیوں کی زیادہ تعداد دکھائی نہیں دیتی، لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ اب سرے سے ایسے لوگ ہی نہیں جو سکون واطمینان سے تراویح میں تلاوتِ کلام حکیم حروف کی صحیح ادائیگی کے ساتھ سننا نہ چاہتے ہوں، بلاشبہ ایسے نیک لوگ اب بھی ہیں مگر اکثریت کا حال وہی ہے جو پہلے بیان ہوا۔

نماز تراویح میں مروّجہ جلد بازی کا نقصان

نماز کے تمام ارکان کو ٹھہر ٹھہر کر اور سکون سے ادا کرنا تعدیل ارکان کہلاتا ہے۔ فتاویٰ عالم گیری اور فقہ وفتاویٰ کی دیگر کتابوں میں لکھا ہے کہ تعدیل ارکان اعضاء کے ایسے سکون کو کہتے ہیں کہ اعضاء کے سب جوڑ کم از کم ایک بار تسبیح پڑھنے کی مقدار ٹھہر جائیں۔ تیز رفتاری سے نماز تراویح میں یا کسی بھی نماز میں اگر تعدیل ارکان نہ ہو سکے جو کہ واجب ہے، نماز ہی نہیں ہوگی۔ جن مساجد میں تیز رفتاری سے نماز تراویح پڑھی جاتی ہے، وہاں یہ بات بطور خاص نوٹ کی گئی ہے کہ رکوع وسجود اور قومہ وجلسہ میں اطمینان وسکون مفقود ہوتا ہے۔ خشوع وخضوع تو بعد کی بات ہے، بعض جگہ تو یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ امام نے نیت باندھ کر سورہ فاتحہ بھی پڑھ لی اور مقتدی ابھی ثناء بھی نہیں پڑھنے پائے۔

ایسی نماز سے کیا حاصل؟ جس سے روحِ نماز ہی غائب ہو اور پورا زور کسی نہ کسی طرح بیس رکعت کی تعداد پوری کرنے اور ان میں جلد از جلد سوا یا ڈیڑھ پارہ ختم کرنے پر صرف ہو رہا ہو۔ خدارا! اس عمل کی حوصلہ شکنی کیجیے۔ ائمہ تراویح کو اس بات کا پابند کیجیے کہ وہ تیز رفتاری سے نماز نہ پڑھائیں۔ نوجوانوں اور اپنے بچوں اور ساتھیوں کو اس بات پر آمادہ کیجیے کہ وہ اطمینان وسکون سے نماز پڑھنے کو ترجیح دیں۔ میں تو یہ کہوں گا کہ اطمینان وسکون سے پڑھی ہوئی دو رکعتیں، جلد بازی اور بے سکونی کی بیس تراویح سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح چھوٹی سورتوں کی پرسکون تلاوت سے ادا کی گئی

تراویح کی نماز، تیز رفتاری، جلد بازی اور بے سکونی کی ان بیس رکعات سے افضل ہے، جن میں آداب وقواعدِ تلاوت کالحاظ کیے بغیر کسی طرح نشتم پشتم ختم قرآن کرنا مقصود ہے۔

جلد بازی اور تیز رفتاری سے نماز نہیں ہوتی

جولوگ تراویح میں تیز رفتاری سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں یا جوتیز رفتار تلاوت سننا پسند کرتے ہیں، تاکہ تراویح سے جلد فارغ ہوجائیں، انھیں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ اتنی تیز رفتاری سے قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا، جس سے الفاظ پورے ادانہ ہوں یا حروف اپنے صحیح مخارج و صفات کے ساتھ ادانہ ہوں یا مدوشد وغیرہ کاخیال نہ رہے یا وقف ووصل اور فصل کے قاعدوں کو نظر انداز کر دیا جائے، جائز نہیں اور ایسی تلاوت کرنے والے کی نماز نہیں ہوتی۔ جب اس کی نہیں ہوگی، جو پڑھا رہا ہے تو ان مقتدیوں کی بھی نہیں ہوگی، جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ امام تلاوت کے آداب کالحاظ کیے بغیر پڑھ رہا ہے، اس کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ کیوں کہ نماز میں سکون اور طمانیت شرط ہے، جو خشوع وخضوع کا باعث بنتی ہے اور اگر بے سکونی اور جلد بازی کا مظاہرہ ہوا تو ایسی نماز کا کوئی فائدہ نہیں۔

قرآن سنانے کی اجرت

نمازِ تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت مقرر کرنا، ایسی قباحت ہے جو معاشرے میں تیزی سے پھیلی ہے۔ بعض مساجد میں تو اللہ والے لوگ مل جاتے ہیں، جو بغیر کسی معاوضے کے قرآن کریم سنانے کو تیار ہوتے ہیں، تاہم ایسی مساجد کی بھی کمی نہیں، جہاں پہلے سے حافظ، قاری صاحب سے باقاعدہ اجرت طے کی جاتی ہے، جسے عرفِ عام میں خدمت کا نام دیا جاتا ہے۔ بعض حفاظ کرام (اللہ انھیں معاف فرمائے) طے کیے بغیر قرآن سنانے پر تیار ہی نہیں ہوتے۔ کہیں ایسا بھی ہوتا ہے، حافظ صاحب طے تو نہیں کرتے مگر انھیں اندازہ ہوتا ہے کہ اس محلے اتنی رقم اختتامِ تراویح پر ملنے کی توقع ہے، پھر اگر توقع سے کم ملے تو اس پر قناعت کے بجائے برملا اظہارِ ناراضگی و برہمی بھی فرماتے ہیں۔ نمازِ تراویح کے لیے یا قرآن پڑھنے یا سنانے کے لیے اجرت پیشگی طے اور مقرر کرنا صحیح نہیں اور ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی جو قرآن سنانے کی اجرت مقرر کرتا یا کرواتا ہے۔ لہٰذا مساجد کی انتظامیہ، کمیٹیوں اور حفاظ کرام سے بصد احترام درخواست ہے کہ وہ قرآن کریم سنانے کی اجرت طے کر کے لوگوں کی نمازیں خراب کرنے سے باز رہیں۔

اوپر کے لاؤڈ اسپیکر استعمال نہ کیے جائیں

رمضان المبارک میں اکثر مساجد میں نمازِ تراویح کے لیے لاؤڈ اسپیکر استعمال کیے جاتے ہیں، لاؤڈ اسپیکر کا استعمال شرعاً جائز ہے یا ناجائز، یہ بذاتِ خود ایک نزاعی مسئلہ ہے۔ تاہم نظریہ ضرورت یعنی زیادہ سامعین ومقتدین تک آواز پہنچانے کی غرض سے اکثر علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے، لیکن اس جواز سے جو بے جا فائدہ اٹھایا جارہا ہے، وہ حدِ جواز سے تجاوز ہے۔ شہری محلوں میں مساجد عموماً قریب ہوتی ہیں اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز تیز ہوتی ہے، جس سے ایک مسجد کی نمازِ تراویح کی آواز دوسری میں باآسانی پہنچ کر وہاں کے نمازیوں کے لیے باعثِ تکلیف بنتی ہے۔ نیز مساجد کی انتظامیہ اور منتظمین کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے تو انھیں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ جس طرح مساجد میں مرد حضرات نمازِ تراویح میں مشغول ہیں، اسی طرح گھروں میں خواتین بھی نماز ادا کرتی ہیں۔ لاؤڈ اسپیکر کی تیز آواز ان کی نماز میں یقینی خلل کا باعث بنتی ہے۔ علاوہ ازیں تلاوت کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جب تلاوت ہو رہی ہو تو سامع خاموش ہو کر اسے سنے۔ اب علماءِ کرام سے یہ دریافت کرنا ہے کہ خواتین، جن تک لاؤڈ اسپیکر کی آواز پہنچ رہی ہے، وہ اس آواز پر توجہ دیں اور اس تلاوت کو سنیں، جو آپ انھیں زبردستی سنوا رہے ہیں یا اپنی نماز پڑھیں؟

آپ خود اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے ، تو شکایت ہو گی

براہِ کرم مسجد میں اوپر کے لاؤڈ اسپیکر، جن کی آواز باہر جاتی ہے، نمازِ تراویح کے دوران تو بند رکھیے، تاکہ گھروں پر موجود بوڑھے اور خواتین بھی اپنی نماز سکون سے ادا کرسکیں۔ ہاں البتہ مسجد میں موجود تمام لوگوں تک آوازِ تلاوت پہنچانے کی غرض سے (اگرچہ اس کے آپ شرعاً مکلف نہیں)، صرف اندرونی اسپیکر استعمال کرلیا کریں، تو بہت سوں کا بھلا ہو۔ بیرونی اسپیکر پر یہ پابندی مسجد کی انتظامیہ اور ائمہ حضرات مل جل کر خود ہی لگالیں، تو بہتر ہے، ورنہ عام مسلمانوں کے مطالبے پر اگر کبھی حکومت یہ پابندی لگائے گی، تو مداخلت فی الدین گردانا جائے گا اور بدمزگی پیدا ہوگی۔

تین روزہ، چھ روزہ، دس روزہ تراویح

رمضان المبارک میں بڑے بڑے پوسٹر اور اشتہارات کچھ ان عنوانات کے ساتھ چھپتے ہیں:

تین روزہ تراویح، چھ روزہ تراویح، دس روزہ تراویح کا اہتمام وغیرہ وغیرہ۔

عام لوگ، بالخصوص نوجوان طبقہ ایسے پروگراموں میں زیادہ پیش پیش ہوتا ہے، اگرچہ اس طرح ختم قرآن پر شرعاً کوئی پابندی نہیں لیکن آپ مانیں یا نہ مانیں کہ اس عملِ خیر سے بے عملی کا جو پہلو برآمد ہوتا ہے، وہ زیادہ خطرناک ہے۔ کیوں کہ بعض نوجوان یہ سمجھنے لگے ہیں کہ تین روزہ یا چھ روزہ تراویح میں اگر ختم قرآن ہوجائے اور اس میں شمولیت کرلی جائے تو پھر رمضان کی باقی راتوں میں تراویح پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی اور عملاً ایسا ہورہا ہے کہ چھ روزہ تراویح میں شامل ہونے والے اکثر نوجوان باقی ایامِ رمضان المبارک میں مسجد کا رُخ نہیں کرتے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اُس عمل کو پسند کیا ہے، جو اگرچہ تھوڑا ہو، مگر اس پر مداومت یا تسلسل رہے اور اس کے مقابلے میں ایسا نیک عمل جو زور و شور سے ہو مگر اس پر مداومت نہ کی جاسکے اور تھوڑے عرصے بعد اس کے اثرات زائل ہوجائیں، وہ بہر کیف نظرِ استحسان سے نہیں دیکھا جائے گا۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے، جس پر زیادہ دوام ہو، خواہ وہ عمل کم ہی ہو''۔۔۔[صحیح مسلم]

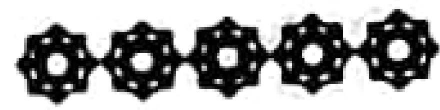
نمازِ تراویح پر مداومت اور رمضان المبارک کی تمام راتوں میں قیام اور وہ بھی اطمینان و سکون کے ساتھ جبھی ہوسکتا ہے، جب سکون و اطمینان کے حصول کے جو طریقے ہیں، ان پر عمل کیا جائے اور ایسے تمام طور طریقوں سے اجتناب کیا جائے، جو اس ماہِ مقدس کی مخصوص عبادت، قیام (تراویح) میں بے سکونی و بے اطمینانی کا باعث بنتے ہوں۔

نوافل میں حاضر، فرائض میں غائب

بعض لوگ رمضان کی راتوں میں نمازِ تراویح میں تو بڑے اہتمام اور ذوق و شوق سے شامل ہوتے ہیں مگر سحری کھانے کے بعد نیند سے مغلوب ہوکر فجر کی نماز جماعت سے اور وقت پر ادا نہیں کرپاتے۔ اس بات کا خیال رکھا جانا چاہیے کہ نوافل کی وجہ سے کوئی فرض نہ چھوٹنے پائے۔ دوسری طرف بعض حضرات جو رمضان کی راتوں میں شب بیداری کی دولت لوٹنا چاہتے ہیں، وہ دن کے اوقات میں اپنے فرائضِ منصبی (ڈیوٹی) صحیح طور پر ادا کرنے کے بجائے چھپ چھپا کر سونے کی کوشش کرتے ہیں یا دیر سے ڈیوٹی پر جاتے اور آنکھ بچا کر جلد نکل جانے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے رزقِ حلال کمانے میں دیانت داری و محنت مطلوب ہے، وہ نہیں ہو پاتی اور یوں

نفلی عبادات کی وجہ سے حقوق العباد میں کمی ہو جاتی ہے، جو کسی بھی صورت مستحسن نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نفلی عبادات میں اس طرح وقت لگایا جائے کہ فرائض خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے متعلق، متاثر نہ ہونے پائیں۔

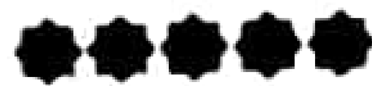
نماز تراویح کا حقیقی لطف جبھی حاصل ہو سکتا ہے کہ جب اس کا اصل مقصد پیش نظر رہے اور وہ ہے حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کرتے ہوئے فرائض و واجبات کی پابندی کے ساتھ ساتھ ماہِ رمضان المبارک میں اضافی طور پر قیام اللیل کی کوشش کرنا اور کامل اطمینان و سکون اور خشوع و خضوع سے نماز تراویح میں کلامِ حکیم کی سماعت کرنا تا کہ سابقہ گناہوں کی بخشش ہو سکے۔



شبِ برات

شبِ برات وہ شب ہے کہ رات بھر جس میں
نوازشات کے دریا بہائے جاتے ہیں
نزولِ رحمتِ پروردگار ہوتا ہے
گناہ گار بہشتوں میں لائے جاتے ہیں
ہجومِ اشکِ ندامت کی باریابی سے
جحیم نار کے شعلے بجھائے جاتے ہیں
غریب کتنے ہی یک سر امیر بنتے ہیں
زر و گہر کے خزانے لٹائے جاتے ہیں
جو نامراد ہوں، من کی مراد پاتے ہیں
نصیبِ خفتہ یکایک جگائے جاتے ہیں
نجانے کتنے مکرم پکڑ میں آتے ہیں
تغیرات کے جلوے دکھائے جاتے ہیں
نجانے کتنی ہی روحوں کو جسم ملتا ہے
کروڑوں ماؤں کو بچے دلائے جاتے ہیں
نجانے کتنے ہی زندوں کا نام کٹتا ہے
نہالِ زیست کے پتے گرائے جاتے ہیں
کچھ اس طرح سے جھپٹتی ہے موت کی آندھی
چراغ محفلِ ہستی بجھائے جاتے ہیں
غرض کہ فیصلے جتنے بھی ہیں، سبھی فیضانؔ
اس ایک شب میں جہاں کو سنائے جاتے ہیں

پروفیسر فیض رسول فیضانؔ



حی علی الصلوٰۃ

چونتیسویں قسط

متفرق مسائل نماز

پروفیسر خلیل احمد نوری

وضو کے ساتھ مسواک کرنا حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے۔ اس سے دانتوں کی صفائی ہوتی ہے اور منہ کا تعفن دور ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے مسواک کو رب تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ قرار دیا ہے اور فرمایا:

"مجھے اپنی امت کی تکلیف کا احساس نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے لیے مسواک کرنے کا حکم دیتا"---[ابوداؤد، باب السواک]

ایک حدیث پاک میں ہے:

"جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے وہ ان ستر نمازوں سے افضل ہے، جو بغیر مسواک کے پڑھی گئی ہوں"---[مستدرک حاکم]

مسواک کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ موت کے وقت انسان کی زبان پر کلمہ پاک جاری ہو جاتا ہے۔ چونکہ اصل مقصد دانتوں کی صفائی ہے، اس لیے مسواک کریں یا برش، مقصد پورا ہو جائے گا اور ثواب بھی ملے گا۔ لیکن لکڑی کی مسواک سے نبی اکرم ﷺ کی بعینہٖ سنت ادا ہوتی ہے، اس لیے پورا ثواب اسی میں ہے کہ لکڑی کی مسواک استعمال کریں۔ ویسے بھی برش کی نسبت مسواک سے خوب دانت صاف ہوتے ہیں اور طبی فوائد بھی زیادہ ہیں، بالخصوص پیلو کی مسواک بہت فائدہ مند ہے۔ ہاں، اگر معلوم ہو کہ برش کے ریشے کسی حرام چیز سے بنائے گئے ہیں تو اس کا استعمال کرنا

حرام ہوگا۔ یا کسی ٹوتھ پیسٹ کے بارے میں معلوم ہو کہ اس میں حرام چیز کی آمیزش ہے تو اس کو ترک کر دیں اور صرف حلال چیزوں کا استعمال رکھیں۔

تثویب (جماعت کھڑی ہونے کی اطلاع)

اذان کے بعد جب جماعت کھڑی ہونے کے قریب ہو تو اس سے کچھ دیر پہلے نمازیوں کو دوبارہ اطلاع دینا کہ جماعت کا وقت ہو گیا ہے، اسے تثویب کہتے ہیں۔ اس کے لیے کوئی معین الفاظ نہیں ہیں۔ اپنے اپنے علاقے کے عرف کے مطابق جو الفاظ چاہیں استعمال کریں، مثلاً لاؤڈ اسپیکر میں ایک مرتبہ ''اَللّٰهُ اَکْبَر'' کہہ دیں یا اَلصَّلٰوۃُ یَا عِبَادَ اللّٰهِ رَحِمَکُمُ اللّٰهُ (اللہ کے بندو، خدا تم پر رحم کرے، نماز پڑھنے کے لیے آؤ) کہہ دیں۔ ہمارے شیخ، ممدوح و مکرم فقیہ اعظم حضرت مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز گھر سے نماز کے لیے نکلتے تو یہی کلمات کہتے ہوئے طلباء کو نماز کے لیے متوجہ فرماتے یا اَلصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ عَلٰی آلِکَ وَ اَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰهِ پڑھ دیں۔

تثویب کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ ضروری کام میں مصروف ہوں، انہیں یاد دہانی کرا دی جائے۔ بعض اوقات حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نماز کی اطلاع دیا کرتے تھے۔ تثویب یہ بھی ہے کہ گھر سے مسجد کی طرف آتے ہوئے جو لوگ راستے میں ملیں، تو ان کو یہ کہتے ہوئے چلیں کہ جماعت تیار ہے۔ دوسروں کو نیکی کی طرف بلانے کا بہت بڑا اجر ہے۔ یاد رکھیں، لوگ اذان سن کر خود بخود جمع ہو جاتے ہوں تو تثویب نہ کہیں تا کہ لوگ یہ اچھی عادت چھوڑ کر تثویب کی انتظار کے عادی نہ ہو جائیں۔

مختلف نمازوں کی نیت

مختلف نمازوں کی نیت کے لیے لوگوں کو خاصا پریشان دیکھا گیا ہے کہ جناب! فلاں نماز کی نیت کیسے کریں اور فلاں نماز کی نیت کیا ہے؟ اس لیے ذیل میں نمازوں کی نیت بیان کی جاتی ہے۔ گو کہ گزشتہ صفحات میں ہر نماز کے بیان میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ لیکن پہلے اصولی بات ذہن نشین کر لیں۔

نیت دل کے ارادے کا نام ہے اور کسی بھی نماز کی نیت کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اس بات کا قصد و ارادہ ہو کہ میں یہ نماز جو کہ فلاں وقت کی ہے، خالص اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھ رہا ہوں۔ دل کے ارادے کے ساتھ اگر زبان سے بھی نیت کے الفاظ ادا کر لیے جائیں تو درست ہے۔ اس سے دل اور زبان میں مطابقت پیدا ہو جائے گی۔

فرض نماز کی نیت

مثلاً فجر کے دو فرضوں کی نیت یوں کریں:

دو رکعت نماز فرض فجر، عبادت اللہ تعالیٰ کی، منہ بیت اللہ شریف کی طرف، جماعت کے ساتھ پڑھ رہے ہوں تو یہ بھی کہیں، پیچھے اس امام کے۔ (اسی طرح باقی فرضوں کی نیت میں صرف رکعتوں کی تعداد اور اس وقت کا ذکر کریں)

وتر نماز کی نیت

تین رکعت نماز وتر واجب، عبادت اللہ تعالیٰ کی، منہ بیت اللہ شریف کی طرف (رمضان شریف میں باجماعت پڑھتے وقت) پیچھے اس امام کے۔

سنتوں کی نیت

دو یا چار رکعت نماز سنت، عبادت اللہ تعالیٰ کی، منہ بیت اللہ شریف کی طرف (مؤکدہ یا غیر مؤکدہ کہنا ضروری نہیں ہے، کہہ لیں تو بھی ہرج نہیں۔ نماز تراویح میں لفظ سنت کے بعد ''تراویح'' کا اضافہ کریں)

نفلوں کی نیت

دو رکعت نماز نفل، عبادت اللہ تعالیٰ کی، منہ بیت اللہ شریف کی طرف (تحیۃ الوضوء، تحیۃ المسجد، اشراق، چاشت اور تہجد وغیرہ کے نفلوں کی نیت کرتے وقت لفظ نفل کے بعد اس خاص نفل نماز کا نام لے سکتے ہیں)

نماز جنازہ کی نیت

چار تکبیر نماز جنازہ، فرض کفایہ، ثناء اللہ تعالیٰ کے لیے، درود پاک حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں، دعا حاضر میت کے لیے، پیچھے اس امام کے۔

نوٹ

جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ نیت صرف دل کے ارادے کا نام ہے، اس لیے زبان سے الفاظ نیت ادا کرنا ضروری نہیں، لہٰذا یہ درست نہیں کہ امام صاحب قراءت شروع کر چکے ہوں اور آپ لمبی چوڑی نیت کے الفاظ دہراتے ہیں۔ بلکہ صرف ''پیچھے اس امام کے'' کہہ کر شامل جماعت ہو سکتے ہیں۔

میلے کپڑوں میں نماز

قرآن کریم میں ہے:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾---[الاعراف:۳۱]

''اے آدم کے بیٹو! ہر نماز کے وقت اپنی زینت سے آراستہ ہو جاؤ'' ---

اس لیے نماز ادا کرتے وقت صاف ستھرا، مہذب اور باوقار لباس پہنا کریں۔ رب تعالیٰ کی باعظمت بارگاہ اور احکم الحاکمین کے دربار میں حاضری کے وقت بدنما یا میلا کچیلا لباس پہننا، نماز کے آداب کے منافی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اعتراف کے برعکس طرزِ عمل ہے۔

مزدور پیشہ حضرات یا ورکشاپوں میں کام کرنے والوں کو چاہیے کہ نماز کے وقت سے دو تین منٹ پہلے وضو کر کے کپڑے تبدیل کر لیا کریں۔ معمولی داغ دھبے ہوں تو اتنا حرج نہیں، لیکن انتہائی گندے کپڑے کسی طور نماز کے لیے مناسب نہیں۔ لیکن مجبوری کے وقت میلے کپڑوں میں بھی نماز ہو جاتی ہے۔

نماز کے لیے موزوں لباس

شریعت نے نماز کے لیے کسی خاص لباس کی تعیین نہیں کی۔ اس لیے جس لباس میں چاہیں، نماز ادا کریں۔ بشرطیکہ وہ لباس مرد کو ناف سے گھٹنوں سمیت پورا حصہ اور عورت کو چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ اور ٹخنوں سے نیچے پاؤں کے علاوہ تمام جسم کو چھپائے۔ البتہ نمازی کو نماز کے وقت ایسا لباس پہننا زیادہ موزوں ہے، جو ڈھیلا ڈھالا ہو اور رکوع و سجود سنت کے مطابق ادا ہو سکیں۔ قعدہ میں دایاں پاؤں کھڑا کر کے اس کی انگلیوں کا رخ بیت اللہ شریف کی طرف کیا جا سکے۔ اس لیے تنگ پتلون، نماز کے لیے موزوں نہیں۔ دفتر کے وقت میں لباس تبدیل کرنا ایک مشکل کام ہے، اس لیے جواز پر عمل کرتے ہوئے جیسا لباس ہو، اسی میں پڑھ لیں۔ دیگر اوقات میں نماز کے لیے موزوں لباس کا اہتمام کرنا چاہیے۔ دفتری اوقات میں آدھے بازوؤں کی شرٹ پہن رکھی ہو تو اس میں بلا کراہت نماز پڑھ سکتے ہیں، البتہ گرمی کی وجہ سے بازو اوپر چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ بات ہے۔

گریبان کھلا رکھنا یا صرف بنیان میں نماز ادا کرنا بھی عظمت و اہمیت نماز کے منافی حرکت ہے۔ کبھی کبھار ایسی بنیان میں نماز پڑھ لی جائے جس سے کندھے ڈھکے ہوئے ہوں تو ہرج نہیں۔

ننگے سر نماز پڑھنا

ننگے سر نماز پڑھنا جائز تو ہے لیکن بلا وجہ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اس کی عادت بنا لینا انتہائی نامناسب ہے۔ نماز میں سر ڈھانپنے کو غیر ضروری سمجھنا اور یہ کہنا کہ ننگے سر نماز ہو جاتی ہے اور نصیحت کرنے والوں کے ساتھ الجھنا اور لڑائی جھگڑا کرنا تو بہت ہی بری حرکت ہے۔ کیوں کہ حضور ﷺ کی سنت جاریہ یعنی آپ کا معمول مبارک یہی تھا کہ آپ سر ڈھانپ کر نماز ادا فرماتے تھے۔ آپ کی ایسی سنت مبارکہ کو غیر ضروری قرار دینا کوئی مناسب طرزِ عمل نہیں، بلکہ آپ کی مستقل

سنت پاک کی توہین ہے۔اس سے سنت رسول ﷺ کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہے، البتہ کچھ میسر نہ ہو تو ننگے سر نماز ادا کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ ایک آدھ بار حضور ﷺ نے نماز پڑھتے ہوئے ٹوپی کو اتار کر سامنے آڑ (سُترہ) کے طور پر رکھ لیا تھا، مگر ایک تو اس حدیث میں ضعف پایا جاتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ ضرورت کے لیے ہوگا۔اس لیے اس حدیث کو دلیل بنا کر مستقل رویہ بنا لینا غلط طریقہ ہے، فقہاء نے اس روایت کو قابل استدلال نہیں مانا۔

فقہاء نے نماز کے لیے جس لباس کا حکم دیا ہے، اس میں ٹوپی یا عمامہ شامل ہے اور بلا عذر کھلے سر نماز پڑھنا مکروہ کہا ہے اور اگر نماز کی توہین مقصود ہو تو کفر ہے۔ بلکہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر نماز میں ٹوپی گر جائے اور آسانی سے دوبارہ پہنی جا سکتی ہو تو دوبارہ پہن لینی چاہیے۔ بہر حال مشرقی ممالک میں جہاں سر ڈھانپ کر رکھنا ادب و احترام کی علامت سمجھا جاتا ہے، بلا عذر ننگے سر نماز پڑھنا نماز کے ادب کے خلاف اور مکروہ ہے۔ جہاں جسم ڈھانپنے کے لیے ہم دوسرے لباس کا اہتمام کرتے ہیں، وہاں ٹوپی کا اہتمام کرنا کوئی مشکل امر نہیں۔ میلی کچیلی اور وقار انسانی کے منافی ٹوپی کے بجائے خوب صورت اور باوقار ٹوپی یا عمامہ کا اہتمام کیا جانا چاہیے۔

صفوں کے خلا کو پر کرنا

جماعت کے لیے صف بندی کے اصول میں سے ایک یہ ہے کہ پہلے اگلی صفوں کو کناروں تک مکمل کیا جائے اور نمازی مل کر کھڑے ہوں، کہیں خلا نہ ہو، لیکن بسا اوقات دیکھنے میں آیا ہے کہ یا تو اگلی صفوں کے دائیں، بائیں کناروں پر جگہ خالی ہوتی ہے یا بعض جگہ خلا موجود ہے۔ ایسی صورت میں اگر بعد میں آنے والے نمازی اگلی صف کے خلا کو پُر کرنے کے لیے پچھلی صف میں موجود نمازیوں کے آگے سے گزر کر جائیں تو یہ جائز ہے۔اس صورت میں قصور دوسری صف والوں کا ہوگا کہ انہوں نے آگے بڑھ کر پہلی صف کی خالی جگہ کیوں پُر نہ کی۔ جماعت کے ساتھ اگر نماز کی نیت باندھنے کے بعد نمازی کو معلوم ہو کہ درمیان میں کچھ فاصلہ رہ گیا ہے تو نیت نہ توڑے بلکہ اسی طرح پاؤں اٹھائے بغیر کھسک کر قریبی نمازی کے کندھے سے کندھا ملا لے، تا کہ خلا نہ رہے۔

تکبیر کے وقت نمازی کب کھڑے ہوں؟

جماعت کے لیے تکبیر کہتے وقت امام صاحب اور مقتدی حضرات کب کھڑے ہوں، اس کی متعدد صورتیں ہیں، عام طور پر پیش آنے والی صورتیں اور ان کا حکم درج ذیل ہے:

1. امام صاحب کے علاوہ کوئی اور آدمی مکبر (تکبیر کہنے والا) ہو۔امام صاحب مسجد

میں موجود نہ ہوں بلکہ جماعت کے مقررہ وقت پر مسجد میں قبلہ کی جانب سے امامت کے مصلیٰ پر آئیں۔ مثلاً جماعت کی جگہ مسجد کے صحن میں ہو اور امام صاحب مسجد کے اندرونی ہال یا برآمدہ سے آئیں وغیرہ۔ اس صورت میں مقتدی نہ تو تکبیر شروع ہونے کا انتظار کریں، نہ تکبیر شروع ہوتے ہی اٹھ کھڑے ہوں اور نہ اس وقت اٹھیں جب مکبر حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کہے، بلکہ جب امام صاحب کو دیکھیں، فوراً کھڑے ہو جائیں۔ حدیث پاک میں ہے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

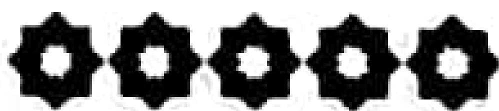
''جب تکبیر کہی جائے تو جب تک مجھے دیکھ نہ لو، کھڑے نہ ہو'' ---[متفق علیہ]

۲ امام صاحب مسجد میں محراب کے قریب نہ ہوں بلکہ وقت مقررہ پر آئیں لیکن قبلہ کی مخالف سمت سے مسجد میں داخل ہوں۔ اس صورت میں امام صاحب جس صف سے گزریں، اس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔ نہ تکبیر شروع ہونے کا انتظار کریں اور نہ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح تک پہنچنے کا۔

۳ مقتدی اور امام صاحب مسجد میں موجود ہوں اور تکبیر کہنے والا امام کے علاوہ کوئی اور آدمی ہو۔ اس صورت میں صحیح عمل یہ ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سنی جائے اور جب تکبیر کہنے والا حَیَّ عَلَی الْفَلَاح پر پہنچے تو مقتدی اور امام سب لوگ کھڑے ہو جائیں۔ ابتداء سے ہی کھڑے نہ ہوں، اس صورت میں کھڑے ہو کر تکبیر سننا مکروہ ہے۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو اس وقت محراب میں کھڑے ہوا کرتے جب تکبیر ختم ہو جاتی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ جو خادم رسول تھے، اس وقت کھڑے ہوتے جب قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کہا جاتا۔ لہٰذا ابتداء سے کھڑے نہ ہوں۔

۴ تکبیر شروع ہو چکی ہو تو آپ مسجد میں داخل ہوں۔ اگرچہ بعض کتابوں میں تو یہ درج ہے کہ ایسی صورت میں بھی آنے والے کو بیٹھ کر تکبیر سننا چاہیے اور پھر حَیَّ عَلَی الْفَلَاح پر کھڑا ہونا مستحب ہے، لیکن ہمارے ممدوح اور برصغیر کے مانے ہوئے فقیہ، حضرت مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز نے اپنی تصنیف فتاویٰ نوریہ میں وضاحت کی ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو دو رکعتیں (تحیۃ المسجد) پڑھے بغیر نہ بیٹھے۔ لہٰذا بوقت تکبیر آنے والا آدمی کوئی نماز پڑھے بغیر آ کر بیٹھے گا تو مذکورہ حکم کی خلاف ورزی ہوگی، اس لیے بہتر ہے کہ اس صورت میں کھڑے کھڑے تکبیر سن لیں۔

[جاری ہے]



جمعہ کے دن عید ہو تو خطبہ و نمازِ جمعہ کا حکم

سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کا ایک فتویٰ

الاستفتاء

ہمارے علاقہ تحصیل چونیاں ضلع قصور میں مسئلہ جمعۃ المبارک اور عیدین کا، کشیدگی اختیار کر چکا ہے، بعض علمائے کرام کا یہ قول ہے کہ جمعۃ المبارک کے دن اگر عید ہو تو صرف عید ہی کا خطبہ ہو سکتا ہے جمعۃ المبارک کا خطبہ نہیں ہونا چاہیے، آپ ہمیں باحوالہ طور پر ارشاد فرمائیں کہ احادیث کے لحاظ سے ہمیں دونوں خطبوں کو ادا کرنا چاہیے یا کہ نہیں، جمعۃ المبارک وغیرہ کا تو ہمارا جھگڑا ہی نہیں، جس مقام پر جمعۃ المبارک فرض ہو اور جمعہ والے دن ہی عید ہو تو تحریر فرمادیں۔ والسلام

خیر اندیش: غلام نبی، خطیب جامع مسجد نظام پورہ نمبر۲، تحصیل چونیاں ضلع قصور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِیَ النُّوْرَ وَ الصَّوَابَ

اصل مسئلہ نماز کا ہے، اگر جمعہ کے دن عید آئے تو آیا جمعہ کی نماز بھی لازم ہے یا نہیں، اگر نماز

لازم ہے تو خطبہ بھی ہوگا۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے نماز جمعہ عید کے دن بھی لازم ہے لاطلاق الاحکام اور بعض کو جو شبہہ ہوا ہے تو وہ محض پادر ہوا ہے، چنانچہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے ہے کہ حضور پُرنور سید عالم ﷺ کے زمانہ میں عید جمعہ کے دن آئی تو حضور ﷺ نے عید پڑھا کر فرمایا:

''جو چاہے جمعہ کی نماز کے لیے آئے اور جو نہ چاہے نہ آئے''---

رواه احمد فی مسنده، جلد۴، صفحہ۳۷۲ و الطحاوی فی مشکل الآثار، جلد۲، صفحہ۵۳ و ابو داؤد، جلد۱، صفحہ۱۵۳ و النسائی، جلد۱، صفحہ۲۳۶ و ابن ماجة، صفحہ۹۳ و البیهقی فی السنن، جلد۳، صفحہ۳۱۷ و النص عن ابی داؤد قال صلی العید ثم رخص فی الجمعة قال من شاء ان یصلی فلیصل---

پھر ابوداؤد نے حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع روایت کی جس کے آخر میں فرمایا:

و انا مجمعون---

اور یوں ہی مشکل الآثار کے جلد۲، صفحہ۵۶ میں حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع کے آخر میں ہے''و انا مجمعون ''یعنی اور ہم جمعہ ادا کرنے والے ہیں، تو اس ''ہم'' سے مراد کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ اور اہل مدینہ منورہ مراد ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ وہ اجازت دیہات والوں کے لیے تھی، جو باہر سے آکر عید و جمعہ مدینہ منورہ میں ادا کرتے تھے کیوں کہ عید کا دن کھانے پینے اور خوشی کا دن ہے تو اگر یہاں جمعہ ادا کرنے تک رہیں تو مشکل ہے اور اگر جا کر دوبارہ آئیں تو یہ بھی مشکل ہے، لہٰذا اجازت دے دی مگر اہل مدینہ کے لیے کوئی مشکل نہیں، لہٰذا فرمادیا''و انا مجمعون ''یعنی ہم جمعہ ادا کرنے والے ہیں اور اس کی وضاحت حضرت سیدنا ذی النورین رضی اللہ عنہ نے فرمادی، چنانچہ مشکل الآثار، جلد۲، صفحہ۵۶ اور صحیح بخاری، جلد۲، صفحہ۸۳۵ اور موطا امام مالک، صفحہ۱۶۵ اور موطا امام محمد، صفحہ۱۳۹ اور کتاب الام حضرت امام شافعی، جلد۱، صفحہ۲۳۹ میں ہے کہ ابوعبید کہتے ہیں:

شهدت العید مع عثمان بن عفان فجاء فصلی ثم انصرف فخطب فقال انه قد اجتمع لکم فی یومکم هذا عیدان فمن احب من اهل العالیة ان ینتظر الجمعة فلینتظرها و من احب ان یرجع فلیرجع فقد اذنت له---

''حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید کے دن حاضر ہوا تو آپ نے آکر نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا تو فرمایا کہ آج کے دن دو عیدیں اکٹھی آگئی ہیں تو جو چاہے دیہات والوں سے کہ نماز جمعہ کا انتظار کرے تو کر لے اور جو واپس جانا چاہے تو چلا جائے، میں نے اجازت دے دی''---

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ اجازت باہر سے آنے والوں کے لیے ہے اور شہر والوں کے لیے نہیں اور یوں ہی طحاوی فرماتے ہیں اور ہمارے محرر مذہب، حنفیہ کے امام حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی یوں ہی فرماتے ہیں، چنانچہ اس حدیث کے بعد صفحہ ۱۴۰ میں ہے:

قال محمد و بھذا کلہ ناخذ و انما رخص عثمان فی الجمعۃ لاھل العالیۃ لانھم لیسوا من اھل المصر و ھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ تعالٰی---[۱]

پھر ہماری کتب فقہیہ حنفیہ کی جامع صغیر، صفحہ ۲۰/ درالمختار اور طحاوی علی الدر، جلد ۱، صفحہ ۳۵۱ اور شامی علی الدر، جلد ۱، صفحہ ۷۷۳ میں ہے:

و النظم للشامی قال فی الھدایۃ ناقلا عن الجامع الصغیر عیدان اجتمعا فی یوم واحد فالاوّل سنۃ و الثانی فریضۃ و لا یترک واحد منھما---[۲]

پھر فرمایا:

عن علی ان ذلک فی اھل البادیۃ و من لا تجب علیھم الجمعۃ---[۳]

۱......امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا، ہم اس سب کچھ پر عمل کرتے ہیں اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بالائی علاقوں (سے آنے) والوں کو جمعہ کی رخصت محض اس لیے دی کہ وہ شہر والوں میں سے نہیں تھے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔

۲......اور عبارت شامی کی ہے۔ ہدایہ میں جامع صغیر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا:
دو عیدیں ایک ہی دن اکٹھی ہو گئیں تو پہلی (عید کی نماز) سنت ہے اور دوسری (جمعہ کی نماز) فرض ہے اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑا جائے۔

۳......حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے کہ یہ (یعنی عید والے دن جمعہ میں حاضر نہ ہونے کی رخصت) گاؤں والوں اور ان لوگوں کے لیے ہے جن پر جمعہ واجب نہ ہو۔

پھر غیر مقلدین کی مایہ ناز کتاب المحلی کے جلد ۵، صفحہ ۸۹ میں ہے:

اذا اجتمع عيد في يوم جمعة صلى للعيد ثم للجمعة و لا بد و لا يصح اثر بخلاف ذلك---[۴]

اور آخر میں کہا:

الجمعة فرض و العيد تطوع و التطوع لا يسقط الفرض---[۵]

یہ جملہ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے ارشاد سے ہی ہے، بہر حال اگر جمعہ کے دن عید آئے تو جن پر پہلے جمعہ فرض ہے ان پر فرض ہی ہے اور جن پر فرض نہیں مثلاً دیہات والے تو ان کے لیے اجازت ہے کہ عید پڑھ کر چلے جائیں اور پھر جمعہ کے لیے آئیں تو آئیں اور نہ آئیں تو اجازت ہے۔

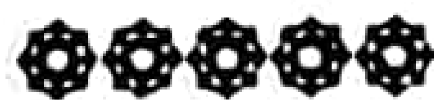
وَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حبيبه الاعظم
وَ اٰلِهٖ وَ اصحابِهٖ وَ بَارَکَ وَ سَلَّمَ

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۳ ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ

۲۲-۳-۱۹۷۹

[فتاویٰ نوریہ، جلد پنجم، ششم، صفحہ ۴۴۵]



۴...... جب بھی جمعہ کے دن عید ہو تو عید کی نماز پڑھے پھر جمعہ کی نماز بھی ضرور پڑھے اور کوئی اثر وحدیث اس کے خلاف صحیح نہیں ہے۔

۵...... جمعہ فرض ہے اور عید تطوع (سنت وواجب) ہے اور تطوع، فرض کو ساقط نہیں کرسکتا۔

حی علی الصلوٰۃ

پینتیسویں قسط

متفرق مسائل نماز

پروفیسر خلیل احمد نوری

تکبیروں کا صحیح طریقہ

تکبیر اولیٰ کہنے کا صحیح ترین طریقہ یہ ہے کہ پہلے کانوں تک ہاتھ بلند کرلیں، پھر تکبیر یعنی اللہ اکبر شروع کریں اور تکبیر ختم ہوتے ہی ہاتھ باندھ لیں۔ امام صاحب کے پیچھے جب نماز پڑھ رہے ہوں تو امام سے پہلے تکبیر اولیٰ کہنے سے نماز صحیح نہ ہوگی۔ اگر تکبیر کا پہلا لفظ اللہ کہنے میں امام سے پہل کرلی یا لفظ ''اَللّٰہ'' تو امام کے ساتھ شروع کیا مگر لفظ ''اَکْبَر'' امام کے ختم کرنے سے پہلے ختم کرلیا، تو یہ اقتداء صحیح نہیں ہے۔

رکوع و سجود کی تکبیروں کا طریقہ یہ ہے کہ رکوع کے لیے جھکنے کے ساتھ تکبیر شروع کریں اور رکوع میں پہنچتے ہی ختم ہو جائے۔ یوں ہی سجدہ میں جاتے وقت تکبیر شروع ہو اور سجدہ میں پہنچتے ہی ختم کردیں۔ اس کے برعکس عمل کرنا مکروہ اور سنت طریقہ کے خلاف ہے۔ امام صاحب کو چاہیے کہ وہ رکوع و سجود میں جاتے ہوئے ذرا سا جھک کر تکبیر شروع کریں اور اٹھتے ہوئے بھی کچھ سر اٹھا کر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور اَللّٰہُ اَکْبَر کہنا شروع کریں تاکہ جلد باز افراد ان سے پہل نہ کرسکیں۔ اس طرح وہ اس وعید سے بچ جائیں گے جو حدیث پاک میں امام سے پہل کرنے والے کے لیے مذکور ہے۔

ٹوپی سے امامت

افضل واحسن طریقہ یہ ہے کہ امام ٹوپی پر عمامہ پہنے، لیکن صرف ٹوپی پہن کر جماعت کرانا مکروہ نہیں ہے اور اس کے لیے بحث مباحثہ اور لڑائی جھگڑا کرنا نامناسب امر ہے۔ حدیث پاک سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ عمامہ شریف کے نیچے ٹوپی مبارک، اکیلی ٹوپی مبارک اور اکیلا عمامہ شریف پہنا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کا یہ معمول مبارک نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں تھا۔ لہٰذا ٹوپی سے امامت کرانا کوئی مکروہ بات نہیں ہے۔ سیدی حضرت فقیہ اعظم مولانا ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی قدس سرہ العزیز نے فتاویٰ نوریہ میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔

بند دروازوں کے باہر امام کی اقتداء

آج کل بڑے شہروں کی بعض مساجد میں ائرکنڈیشنڈ نصب ہوتے ہیں، ائرکنڈیشنڈ کے لیے ضروری ہے کہ دروازے بند ہوں یا شدید سردی میں بھی مسجد کے دروازے بند کرنا پڑتے ہیں، اس صورت میں جب اندرونی ہال بھر جائے تو بند دروازوں کے باہر کھڑے ہوکر امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے والوں کی نماز درست ہوگی، بشرطیکہ باہر والوں کو امام صاحب کے انتقالات یعنی رکوع و سجود میں جانے اور اٹھنے کا علم ہوتا رہے۔ خواہ یہ علم امام صاحب کی آواز سے ہو، لاؤڈ سپیکر کے ذریعے یا بغیر لاؤڈ سپیکر کے۔ خواہ شیشے کے دروازے ہوں اور امام و نمازیوں کی حرکات وسکنات کے ذریعے علم ہو، اقتداء درست ہوگی۔

گھر میں مسجد کے امام کی اقتداء کرنا

کسی شرعی عذر کی وجہ سے جماعت میں شامل نہ ہوا جاسکتا ہو اور مسجد کے لاؤڈ سپیکر کی آواز کی مدد سے مسجد میں ہونے والی جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ اسی طرح گھر میں بیٹھی خواتین جمعہ، تراویح یا دیگر نمازوں کی جماعت میں گھر بیٹھے شامل نہیں ہوسکتیں۔ کیوں کہ جماعت میں شمولیت کے لیے صرف آواز کا پہنچنا کافی نہیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ صفیں وہاں تک ملتی چلتی جائیں اور درمیان میں خلا نہ رہے۔ اسی لیے درمیان میں کوئی سڑک یا نہر ہو تو بھی اقتداء صحیح نہیں ہوتی کیوں کہ درمیان میں خلا واقع ہوجاتا ہے۔

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز ہے اور اس کی ممانعت کی کوئی قابل ذکر وجہ نہیں ہے۔ حضرت فقیہ اعظم مولانا ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی محدث بصیرپوری قدس سرہ العزیز کی بہترین تصنیف

"مکبر الصوت" میں اس کے جواز پر تفصیلی بحث موجود ہے اور اس ضمن میں پیدا ہونے والے تمام سوالات کا جواب دیا گیا ہے۔ (یہ کتاب، اب فتاویٰ نوریہ، حصہ اول میں شامل ہے، تفصیل کے لیے وہاں اس فتویٰ کا مطالعہ کیجیے) لاؤڈ سپیکر کے استعمال سے نماز میں کوئی خلل اور نقصان پیدا نہیں ہوتا، لیکن پنج وقتہ نماز کے لیے یا جب بہت تھوڑے لوگ ہوں اور امام کی آواز ان تک با آسانی پہنچ جائے تو اس کا استعمال غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ اس میں دوسری خرابی یہ بھی ہے کہ گرد و پیش کے رہائش پذیر لوگوں کے سکون اور آرام میں خلل پیدا ہوتا ہے، اس لیے اس کا استعمال محدود ہونا چاہیے۔ آج کل مساجد کے اندرونی حصوں میں آواز پہنچانے کے لیے چھوٹے لاؤڈ اسپیکر کا نظام متعارف ہو چکا ہے، اسی نظام کو اختیار کر کے فائدہ اٹھانا چاہیے اور سوائے اذان، جمعۃ المبارکہ کے خطبہ یا خصوصی مجالس ومحافل کے لاؤڈ اسپیکر کے بیرونی نظام کو معطل رکھنا چاہیے۔

چلتی ریل گاڑی یا جہاز میں نماز کا حکم

چلتی ہوئی ریل گاڑی یا ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے میں کوئی ممانعت نہیں ہے کیوں کہ ریل گاڑی سے اتر کر نماز پڑھنے میں کئی قباحتیں ہیں، ایک تو اسٹیشن پر اس کے رکنے کا انتظار کرنا، جس سے نماز قضا ہونے کا خطرہ ہے، دوسرا گاڑی چلے جانے اور دوڑ کر چلتی ہوئی گاڑی میں بیٹھنے سے گرنے کا خطرہ ہے، لہٰذا قبلہ کی سمت کا تعین کر کے جو کہ ناممکن کام نہیں، ہو سکے تو کھڑے ہو کر نماز ادا کریں، گرنے کا خدشہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لیں، البتہ بس میں سیٹ پر بیٹھے بٹھائے فرض نماز پڑھنا غلط ہے، ایسی نماز کا اعادہ کرنا ضروری ہے، کیوں کہ بس میں سمت قبلہ کی تعیین، قیام، رکوع و سجود، قعدہ وغیرہ سب کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔

نمازی کو چاہیے کہ سفر کی روانگی اور اختتام کا ایسا شیڈول بنائے جس سے آغاز وانتہا پر نمازیں شرعی طریقہ کے مطابق پڑھی جا سکیں۔ اگر سفر کے دوران میں نماز کا وقت آ جائے تو ڈرائیور سے کہہ کر بس کسی موزوں جگہ پر رکوا لیں اور شرعی قاعدہ سے نماز پڑھیں، اس سے کئی اور مسافر بھی فائدہ اٹھا کر نماز پڑھ سکیں گے۔

بقیہ رکعتیں پڑھنے والا کون سی سورتیں پڑھے

جب آپ جماعت کے ساتھ اس وقت شامل ہوئے ہوں کہ امام صاحب ایک یا زیادہ رکعتیں پڑھ چکے تھے، تو بقیہ رکعتیں پڑھتے وقت آپ امام کے تابع شمار نہ ہوں گے بلکہ باقی ماندہ نماز ابتداء کے حکم میں ہوتی ہے۔ ان رکعتوں میں آپ کو اختیار ہے کہ جو سورت چاہیں پڑھیں، مثلاً جب آپ

تنہا نماز پڑھ رہے ہوں تو چاہیے کہ سورتوں کی ترتیب کا لحاظ رکھتے ہوئے دوسری رکعت میں وہ سورت پڑھیں جو پہلی رکعت میں پڑھی گئی سورت کے بعد قرآن مجید میں واقع ہو۔اس طرح امام صاحب کو بھی چاہیے کہ سورتوں کی ترتیب الٹ پلٹ نہ کریں۔لیکن بقیہ رکعتوں کی تکمیل کے وقت یہ لحاظ رکھنا ضروری نہیں ہے کہ امام صاحب نے جو سورت پڑھی ہے اس کے بعد والی پڑھیں یا اس کے برعکس۔مثلاً امام صاحب نے دوسری رکعت میں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھی، تو جس مقتدی کی ایک رکعت رہ گئی ہو وہ اپنی رہ جانے والی رکعت کو پڑھتے وقت جو سورت چاہے پڑھ لے، اسے اختیار ہے کیوں کہ بقیہ رکعتوں کے معاملے میں وہ امام صاحب کا تابع شمار نہیں ہوتا۔

نمازی کے سامنے سے گزرنا

نمازی کے سامنے سے گزرنا سخت گناہ ہے مگر اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔بے خیالی میں گزرنے والے پر کوئی گناہ نہیں ہے۔حدیث پاک میں ہے:

''اگر کسی کو معلوم ہو کہ نمازی کے آگے سے گزرنے کا کتنا گناہ ہے تو سو برس کھڑے رہنے کو ایک قدم چلنے سے بہتر جانتا'' ---[ابن ماجہ]

ایک دوسری حدیث پاک میں ہے:

''ایسا آدمی زمین میں دھنس جانے کو بہتر جانتا'' ---[موطا امام مالک]

کھلی جگہ یا بڑی مسجد میں نمازی کے آگے سے گزرنا منع نہیں۔بشرطیکہ گزرنے والے اور نمازی کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ اگر نمازی اپنے سجدہ کی جگہ کو دیکھے تو جہاں تک اس کی نظر کا پھیلاؤ ہو وہ جگہ اس میں نہ آئے۔یہ تقریباً تین صفوں کا فاصلہ بنتا ہے۔

اگر دو نمازی آگے پیچھے نماز پڑھ رہے ہوں اور آگے والا پہلے فارغ ہو جائے تو وہ دائیں یا بائیں طرف کھسک کر جا سکتا ہے۔یہ نمازی کے آگے سے گزرنا نہیں ہوگا۔اسی طرح اگر اگلی صفوں میں کسی کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ صفوں کو چیر کر وضو کے لیے جا سکتا ہے۔

کسی چیز کی آڑ میں نماز ادا کریں

مسجد میں، گھر میں یا کسی دوسری جگہ نماز پڑھتے ہوئے یہ اندیشہ ہو کہ دوسرے لوگ سامنے سے گزریں گے تو اپنے سامنے دو تین فٹ لمبی لاٹھی یا کوئی دوسری چیز کھڑی کر لیں یا ستون اور دیوار کی آڑ لے کر نماز پڑھیں تاکہ سامنے سے گزرنے والے لوگ گنہ گار نہ ہوں۔مسجد میں سنتیں اور نفل ادا کرتے ہوئے اس بات کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔جب اندیشہ ہو کہ آپ کے نماز ختم کرنے

سے پہلے لوگ باہر نکلیں گے تو دیواروں کے ساتھ، ستونوں کے پیچھے یا اگلی صفوں میں نماز پڑھیں۔
جس طرح نمازی کے آگے سے گزرنا حرام ہے اسی طرح یہ بھی حرام ہے کہ اپنی نماز سے لوگوں کے آنے جانے میں رکاوٹ ڈالیں، یعنی کسی آڑ کے بغیر نماز پڑھیں حالانکہ اس جگہ سے لوگوں کی آمد و رفت کثرت سے ہو۔ حرم کعبہ اور مسجد نبوی شریف کے مناظر کو دیکھ کر بعض لوگ اس امر کو معمولی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ قیاس غلط ہے، کیوں کہ وہاں اس اصول کا لحاظ رکھنا مشکل امر ہے۔

بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے رکوع کا طریقہ

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت رکوع کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ نچلا حصہ پاؤں سے اٹھا کر رانوں کو پنڈلیوں سے جدا کریں اور پیشانی کو گھٹنوں کے اگلے حصے کے سامنے تک لائیں، سر اور پیٹھ برابر ہوں کیوں کہ جس طرح قیام کی حالت میں رکوع کرتے وقت اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ اسی طرح بیٹھ کر رکوع کرتے وقت بھی سر اور پیٹھ کو ہموار رکھنا ضروری ہے۔ اس طرح رکوع نہ کیا گیا تو وہ محض رکوع کے لیے اشارہ ہوگا نہ کہ مکمل رکوع۔

نمازی کی طرف منہ کر کے بیٹھنا منع ہے

نماز سے فراغت کے بعد کسی دوسرے نمازی کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھیں، یہ گناہ ہے۔ اگر آپ کی طرف کوئی دوسرا شخص منہ کر کے نماز شروع کر دے تو گناہ اس پر ہوگا۔ امام صاحب کو چاہیے کہ وہ دیکھ لیں، اگر کچھ نمازی اپنی بقیہ رکعتیں ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوں تو دائیں طرف رخ کر کے بیٹھیں، ورنہ نمازیوں کی طرف منہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

نماز پڑھتے ہوئے خیالات کا آنا

نماز پڑھتے ہوئے دھیان ادھر ادھر ہو جائے یا توجہ بٹ جائے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی، ہاں، اس سے ثواب میں کمی ہوتی ہے۔ نماز میں وارد ہونے والے خیالات اور وسوسوں کو شیطانی اثر سمجھ کر ان کی طرف توجہ دیے بغیر نماز جاری رکھیں، اس سے شیطان پر ضرب لگے گی اور وہ دفع ہو جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا تصور کر کے ہر رکن کو اس کے پورے آداب سے ادا کریں۔ جان بوجھ کر خیال لانا بہر حال غلط اور فساد کا سبب ہے، اسی طرح خیالات آ جائیں تو ان میں جان بوجھ کر محو نہ ہوں ورنہ نماز ختم ہو جائے گی۔ البتہ از خود خیالات کا آنا نماز ٹوٹنے کا سبب نہیں بنتا۔
ایک مرتبہ راقم نے اپنے شیخ و مرشد حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ سے اس سلسلے میں راہنمائی کی درخواست کرتے ہوئے عرض کیا کہ کوئی طریقہ ارشاد فرمائیں کہ نماز میں ذہن و قلب حاضر رہیں۔ فرمایا، نماز میں

جسمانی حاضری کا التزام کرو، رفتہ رفتہ قلبی حاضری بھی ہو جائے گی، یعنی پابندی وقت کے ساتھ تمام نمازیں ادا کرتے رہیں، ایک دن آئے گا جب نماز میں سرورِ قلبی حاصل ہونے سے خیالات میں ٹھہراؤ آجائے گا۔

آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا

نماز کے دوران میں آنکھیں بند کرنا مکروہ ہے، سوائے اس کے کہ کسی مصلحت وضرورت کے لیے ہو، مثلاً سامنے کوئی ایسا منظر ہو جو نماز سے غافل کرنے کا باعث ہو تو بلا کراہت آنکھیں بند کرنا جائز ہے۔ اسی طرح آنکھیں بند رکھنے سے خشوع حاصل ہوتا ہو تو بھی بلا کراہت درست ہے۔ آنکھ میں کوئی تکلیف ہو اور بند رکھنا باعث راحت ہو تو یہ بھی ضرورت شمار ہوگا۔

فرضوں کے بعد تسبیحات

ظہر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کے فرض ادا کر کے مختصر دعا اور ذکر پاک کے علاوہ زیادہ دیر تک مصروف نہ رہیں تا کہ سنتوں میں تاخیر نہ ہو۔ فجر اور عصر کی نمازوں میں چونکہ فرض کے بعد سنتیں نہیں ہوتیں، اس لیے جتنی دیر چاہیں بیٹھ کر اوراد و وظائف میں مصروف رہیں۔ لہٰذا ظہر، مغرب اور عشاء میں تسبیحات یعنی ۳۳بار سُبْحَانَ اللّٰہِ، ۳۳بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور ۳۴بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ سنتوں کے بعد پڑھیں۔ کیوں کہ ان کو پڑھنا مستحب ہے اور مستحب کام کے لیے سنتوں کو مؤخر کرنا درست نہیں ہے۔ اسی لیے ہمارے مشائخ اور اولیاء و صالحین کا معمول ہے کہ ان تین نمازوں کے فرض پڑھ کر صرف اس دعا یعنی اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ آخر تک پڑھ کر اکتفا کرتے ہیں اور سنتوں کے بعد قدرے طویل دعا مانگتے ہیں۔

سنتوں کے لیے جگہ بدلنا

فرض نماز کے بعد سنتیں اور نفل پڑھنے کے لیے جگہ بدلنا افضل ہے تا کہ قیامت کے دن وہ جگہ بھی نمازی کے حق میں گواہی دے۔ امام صاحب اور مقتدی دونوں کو جگہ بدل لینی چاہیے، بشرطیکہ جگہ کی گنجائش ہو اور نمازیوں کے آگے سے گزرنے کا عمل نہ پایا جائے، نیز پچھلی صفوں کے مقتدیوں کی گردنیں پھلانگ کر انہیں اذیت نہ دی جائے۔

دو نمازوں کے درمیان فاصلہ

ایک نماز کی تکمیل کے فوراً بعد کھڑے ہو کر دوسری نماز نہ پڑھیں بلکہ ایک نماز کا سلام پھیر کر استغفار یا کوئی اور ذکر پڑھ لیں یا دائیں بائیں یا آگے پیچھے ہٹ جائیں، مثلاً فرض ادا کر کے فوراً سنتیں شروع نہ کر دیں۔ ایک حدیث پاک میں ہے:

"ایک بار ایک آدمی جو تکبیر اولیٰ میں شامل تھا، سلام کے فوراً بعد دو رکعت کی نیت باندھ کر

کھڑا ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا کندھا پکڑ کر بیٹھنے کے لیے کہا اور فرمایا کہ اہل کتاب کے ہلاک ہونے کی وجہ یہی ہے کہ ان کی نمازوں کے درمیان فاصلہ نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ اٹھا کر فرمایا، اے ابن خطاب! اللہ تعالیٰ نے تجھے صحیح بات تک پہنچایا" ---[ابوداؤد]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا تم لوگ (فرضوں سے فارغ ہو کر) نوافل وغیرہ کے لیے آگے پیچھے، دائیں بائیں ہٹنے سے بھی عاجز ہو" ---[ابوداؤد]

امام کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"امام اس جگہ نماز نہ پڑھے جہاں پہلے (فرض) پڑھ چکا ہے یہاں تک کہ جگہ بدل لے" ---[ابوداؤد، باب الامام لا یتطوع فی مکانہ]

جگہ بدلتے وقت اوپر کی شرائط کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ امام کی جگہ بدل لینے میں خاص طور پر یہ حکمت وضرورت بھی ہے کہ باہر سے آنے والے کو معلوم ہو جائے کہ جماعت ختم ہو چکی ہے۔ گویا اس سے فرض نماز اور سنت ونفل میں فرق بھی ہوتا ہے اور نئی جگہ کی گواہی بھی لکھ لی جاتی ہے۔

امام کا مقتدیوں کی طرف منہ پھیرنا

فرضوں کے بعد امام صاحب کو چاہیے کہ دائیں یا بائیں یا مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ جائیں۔ فجر اور عصر کی نمازوں کے بعد خصوصاً امام صاحب کو ضرور رخ بدلنا چاہیے تاکہ کسی کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ شاید ابھی نماز جاری ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد اپنا رخ ہماری طرف پھیر کر بیٹھ جاتے تھے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دائیں جانب کھڑا ہونا پسند کرتے تھے کیوں کہ آپ سلام کے بعد دائیں جانب رخ انور کر کے بیٹھا کرتے تھے۔ اسی طرح بائیں جانب چہرہ مبارک کر کے بیٹھنا بھی آپ سے ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں طرف رخ انور موڑ کر بیٹھے دیکھا ہے۔

امام صاحب کے ساتھ اجتماعی دعا میں شمولیت

فرض نماز کے بعد دعا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے۔ یہ قبولیت کا وقت ہے،

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''رات کے آخری حصہ میں اور فرض نماز کے بعد کی ہوئی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے'' ---[ترمذی]

دعا عبادت کا مغز ہے اور نماز تمام عبادت کی روح اور سب سے افضل عبادت ہے، لہٰذا ہر فرض نماز کے بعد دعا ضرور مانگیں۔ جب جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں تو اجتماعی دعا میں شمولیت کریں کیوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

''امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے'' ---[مشکوٰۃ]

حضور ﷺ لوگوں کو امام کے جانے سے پہلے نکل جانے سے منع فرمایا کرتے۔ لہٰذا امام صاحب کے ساتھ اجتماعی دعا میں شرکت کرنا زیادہ بہتر ہے اور دعا کیے بغیر چلے جانا یا فوراً اٹھ کر کسی دوسری نماز کی نیت باندھ لینا صحابہ کی سنت کے خلاف اور حضور ﷺ کے نزدیک ناپسندیدہ عمل ہے۔

مستحب باتوں کو فرض یا واجب کا درجہ نہ دیں

شرعی امور میں بعض چیزیں فرض و واجب ہیں، بعض کام سنت کے درجے میں ہیں اور بعض صرف مستحب اور مستحسن باتیں ہیں۔ ہر چیز کو اس کے درجے میں سمجھتے ہوئے انجام دینا چاہیے، مثلاً فرض کے بعد جگہ بدلنا مستحب امر ہے، مگر بعض لوگ ایسے مستحب کام کے لیے بہر صورت جگہ تلاش کرتے ہیں، خواہ اس سے نمازیوں کے سامنے سے گزرنے کا ناجائز کام ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اسی طرح امام صاحب کے دائیں جانب کھڑے ہونا یا اگلی صف میں کھڑے ہونا بھی مستحب اور فضیلت والے امور ہیں۔ بہت سے لوگ ان چیزوں کا ایسا التزام کرتے ہیں کہ ایک دوسرے سے الجھتے اور نمازیوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے اگلی صف میں پہنچتے ہیں، جیسے یہ کام فرض یا واجب ہو۔

منظور تھی حضور کو امت کی عافیت
امت پر اپنی، عافیت اپنی نثار کی
منکر نکیر کے فقط آنے کی دیر تھی
زحمت نہ دی حضور نے کچھ انتظار کی
ہے مانگنے کی دیر، عطا کی نہ پوچھیے
رحمت کو خود تلاش ہے امیدوار کی

[حافظ پیلی بھیتی]

ننگے سر نماز

خاک سری یا خود سری؟

علامہ غلام نصیر الدین نصیر

﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ﴾---[اعراف:۷:۳۱]

''اے اولاد آدم! تم ہر نماز کے وقت زینت (خوب صورت لباس) پہن لیا کرو''---

روایت ہے کہ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے جاتے تو نہایت عمدہ لباس پہنتے، ان سے کہا گیا کہ اے ابن رسول! آپ اس قدر عمدہ لباس کیوں پہنتے ہیں؟ فرمایا:

''اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے تو میں اپنے رب کے لیے جمال اختیار کرتا ہوں''---[علامہ آلوسی، روح المعانی، جلد ۸، صفحہ ۱۰۹، بیروت]

و کان النبی ﷺ یامر بستر الراس فی الصلوٰۃ بالعمامۃ او القلنسوۃ و ینھی عن کشف الراس فی الصلوٰۃ ---[علامہ عبدالوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ ۸۷، مطبوعہ مصر]

''نبی مکرم ﷺ نماز میں عمامہ یا ٹوپی کے ساتھ سر ڈھانپنے کا حکم دیتے تھے اور ننگے سر نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے''---

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

و آں حضرت ﷺ گاہ عمامہ بے کلاہ مے پوشد و گاہ با کلاہ و گاہ کلاہ بے عمامہ

''آپ ﷺ کبھی ٹوپی کے ساتھ اور کبھی بغیر ٹوپی کے عمامہ پہنتے تھے اور کبھی بغیر عمامہ کے ٹوپی پہنتے تھے''---

[شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شرح سفر السعادۃ، صفحہ ۴۳۶، مطبوعہ منشی نول کشور، لکھنؤ]

شیخ محمد زاہد الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۱۳۷۱ھ وکیل المشیخۃ الاسلامیۃ دار الخلافۃ عثمانیہ ۷۲۸ھ کے شیخ القرآن والحدیث واستاذ الفقہ وتاریخ الفقہ عثمانیہ یونی ورسٹی مقالات الکوثری میں لکھتے ہیں، اردو ترجمہ پیش ہے:

آج کل ایک سوال عام طور پر یہ پوچھا جاتا ہے کہ بغیر عذر کے ننگے سر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح جوتا پہن کر نماز پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیوں کہ لوگوں کا ایک چھوٹا سا نیا نیا گروہ اور فرقہ ایسا پیدا ہوا ہے کہ جو معروف کا انکار کرنے اور منکرات کو پھیلانے میں لذت پاتا ہے اور خلفاً عن سلفٍ جو طریقہ متوارث اور منقول چلا آ رہا ہے، اس کے برعکس چلتا ہے اور جمہور اہل اسلام کی مخالفت کرنے کو اپنا مقصد حیات بنائے ہوئے ہے۔ یہ خود ساختہ نام نہاد مجتہد کہلانے والے جدت پسند لوگ اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی مساجد میں اپنی عبادات میں مسلمانوں کے درمیان اضطراب اور انتشار وانارکی پیدا کر کے فتنہ پھیلانے میں ساعی اور کوشاں رہتے ہیں۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ یہ فرقۂ جدیدہ خود کو دانش ور کہلانے میں اور خود کو عقل کل سمجھنے میں بالکل خوارج کے قدم بقدم چلنے والا ہے اور اس بات میں بالکل خوارج کی نئی شکل ہے کہ جن کا شیوہ یہ رہا کہ اپنے جھوٹ کو فروغ دینے کے لیے اور حقیر و معمولی کام کو بہت بڑا کر کے پیش کرنا اور معمولی سا کام کر کے اس کو بہت بڑا کارنامہ سمجھ بیٹھنا اور بڑے ہی اہم امور کو کوئی اہمیت تک نہ دینا اور پس پشت ڈالے رکھنا ہے۔ یہ فرقہ بھی یہی کرتا ہے۔ اس مقام پر اس فرقۂ جدیدہ کے بارے میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت ہے، نہ ہی گنجائش ہے، لوگ ان کو جانتے ہی ہیں کہ ان کا طریق تبلیغ اور دعوت و ارشاد کا مقصد صرف اور صرف جمہور مسلمین اور سواد اعظم کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا ہے اور ہر جگہ منافرت اور فرقہ واریت پھیلانا ہے اور ایسے امور سے ہٹ کر نئی راہ چلنا اور زبردستی دوسروں کو دھونس کے ذریعے اس سلف صالحین کے طریقہ سے برگشتہ کرنا ہے۔ اس جگہ ایک دو مسئلوں پر گفتگو کریں گے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ توفیق رفیق ارزانی فرمائے۔ (آمین)

سوال و جواب

کسی مسلمان شخص کا بغیر عذر کے ننگے سر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نماز کی دوسری شرائط اور ارکان کا التزام کرتے ہوئے اگر کسی شخص نے نماز ادا کی ہے تو اس کی نماز تو درست ہو جائے گی لیکن نماز جو بغیر کسی عذر کے ننگے سر پڑھی گئی ہے، سنت متوارثہ کے خلاف ہے اور تمام ادوار اور قرون سے تواتر کے ساتھ جو دنیا کے ہر ملک اور روئے زمین کے ہر خطہ کے مسلمانوں کا جس طریقہ پر ابتداء اسلام سے لے کر آج تک معمول رہا ہے، یہ عمل ان تمام مسلمانوں کے عمل کے خلاف ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ اہل کتاب کے ساتھ مشابہت ہے، کیوں کہ اہل کتاب ننگے سر نماز پڑھتے ہیں، جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ آپ اہل کتاب کو ہر جگہ دیکھ سکتے ہیں کہ وہ ننگے سر ہی نماز پڑھتے ہیں۔ امام الماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''نماز کے وقت اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہے کہ ''خذ الزینۃ'' اس سے مراد خوب صورت ترین لباس سے مزین ہونا ہے''۔

علامہ ابو حیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یہ بات قطعی طور پر ظاہر ہے اور بدلیۃً معلوم ہے کہ نماز کے وقت زینت اختیار کرنے کا جو حکم ہے اور خوب صورت ترین ہیئت بنا کر اور اچھی طرح آراستہ و مزین ہو کر اپنے جمال پسند خداوند ذوالجلال والجمال کے پاکیزہ اور خوب صورت گھر میں نماز کے لیے حاضر ہونے کا حکم ہے تو واضح ہونا چاہیے کہ اس زینت اختیار کرنے کے حکم میں وہ لباس داخل نہیں ہے، جو ستر ڈھانپنے کے لیے ہوتا ہے کیوں کہ وہ تو مطلقاً مامور بہ ہے اور اس کا تو مطلق حکم ہے، اس کو زینت نہیں کہا جاتا، وہ تو ضروری چیز ہے اور زینت تو ضرورت سے زائد چیز کا نام ہوتا ہے۔ یہ کلام بہت وجیہ ہے۔ زینت کا سر چھپانے اور ڈھانپنے کو شامل ہونا کسی شک و ریب کا محل نہیں ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ جو آغاز اسلام سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا معمول اور طریقہ چلا آ رہا ہے۔

گزشتہ پندرہ صدیوں سے کسی نے کسی زمانے میں اور کسی جگہ نہیں دیکھا کہ مسلمانوں نے دنیا میں کہیں نماز کے لیے صفیں باندھیں اور وہ ننگے سر نماز کے لیے کھڑے ہوئے ہوں اور جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ مکابر سینہ گزٹ اور ہٹ دھرم حقیقت کا منہ چڑانے والا ضدی ہے۔ سر ڈھانپنے کو قرآن مجید کے حکم زینت سے خارج کرنے کا ارادہ کرنے والے کا کوئی دلیل ساتھ نہیں دیتی بلکہ یہ قول اس کی نفسانی خواہش کا عکاس ہوگا، جس کا نمونہ اور مثال موجود نہیں ہے۔ اس میں

کوئی ذرا بھر شک نہیں ہے کہ زینت کا لفظ سروں کو ڈھانپنے کے حکم کو سب سے پہلے شامل ہے، لہٰذا آیت کریمہ میں سر ڈھانپنا قرآنی حکم ہے۔

المحدث سیّد محمد بن جعفر الکتانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے (الدعامۃ) میں ایسی تمام احادیث انتہائی کوشش سے جمع فرمادی ہیں جن میں اس بات پر دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا معمول یہ رہا کہ آپ ﷺ نے عمامہ شریف اور ٹوپی دونوں یا صرف عمامہ شریف پر مواظبت اور ہمیشگی فرمائی ہے اور اس بارے میں علامہ موصوف نے اہل علم کے اقوال بھی ذکر فرمائے ہیں۔

اور رہا یہ مسئلہ کہ حضور ﷺ نے بعض اوقات اپنی ٹوپی مبارک کو سر اقدس سے اتار کر اپنے سامنے بطور سترہ رکھ لیا اور آپ نے بغیر سر ڈھانپے نماز ادا فرمائی، تو اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے، جیسا کہ شرح شمائل اور دوسری کتب میں ہے، لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت کا حدیث پاک کی کتب معتبرہ میں ذکر نہیں ہے، لہٰذا سر ڈھانپنے کے مسئلہ میں سنت متوارثہ اور عمل متوارث کے مقابل ضعیف روایت سے دلیل قائم نہیں کی جا سکتی

اور ہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لونڈیوں کو سر ڈھانپنے سے منع فرماتے تھے اور شاید یہ خُشّو برہنہ سر رہنے والے بھی خود کو لونڈیوں کی جنس یا صنف سے شمار کرتے ہوں یا نمازوں میں لونڈیوں کے ساتھ تشبہ کو پسند کرتے ہوں۔ ہماری نظر میں تو یہ مردوں کی شان نہیں ہے، باقی وہ جانیں اور ان کا کام (ہم ان کو ان کے حال پر چھوڑتے ہیں) تاہم اتنا ہم ضرور عرض کریں گے، جو لوگ سر ڈھانپنے کے بارے میں عمل متوارث اور سنتِ متوارثہ کو ہلکا جانتے ہیں اور اس عمل کی توہین کرتے ہیں اور اپنی نمازوں میں نصاریٰ کے حال سے تشبہ حاصل ہونے کی پروا کرتے ہیں اور نہ لونڈیوں سے تشبیہ پائے جانے کو درخور اعتناء سمجھتے ہیں، وہ سلیم ذہن نہیں ہیں۔

فلا یمکن من شغبہ الفارغ

حج پر قیاس کا جواب

رہا حج کی حالت کو برہنہ سری کے جواز کے لیے حجت بنانا، تو اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ حج ایک مخصوص مکان میں، مخصوص زمان میں، مخصوص ارکان سے، مخصوص اخوان کی عبادت کا نام ہے، اس پر قیاس کر کے کسی دوسری چیز کے لیے کشف رأس کا جواز ثابت کرنا قرین قیاس نہیں ہے۔

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

و یکرہ ان یصلی حاسراً رأسہ تکاسلاً...... بان استثقل تغطیتہ و

لم یرها أمرا مهما فی الصلوٰة فتر کها لذلک...... و لا بأس إن فعله تذللا و خشوعا...... و قوله (لا بأس) یدل علی الأولی أن لا یفعله و أن یتذلل و یخشع بقلبه فإنهما من أفعال القلب...... اھ---

"سستی کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے، سستی کا مطلب یہ ہے کہ سر ڈھانپنے کو بوجھ سمجھے اور نماز میں سر ڈھانپنے کو کوئی اہم امر نہ سمجھے اور اس لیے اس کو ترک کر دے اور اگر عاجزی اور خشوع کے لیے ایسا کیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن یاد رہے کہ مصنف کا قول (لا بـاس) خود دلالت کرتا ہے کہ افضل یہ ہے کہ ایسا نہ کرے اور اگر تذلل و خشوع کا اظہار اور عاجزی و انکساری کرنی ہے تو قلب سے کرے کہ ان دونوں چیزوں کا تعلق دل کے افعال سے ہے، ظاہری اعضاء اور جوارح سے خشوع کا تعلق نہیں ہے"---

اسی طرح باقی مذاہب میں حکم ہے:

اور مزید یہ کہ نماز میں سر ننگا کرنا آج کل بدعتی فرقہ کا شعار بن گیا ہے، لہٰذا اہل بدعت کے ساتھ تشبہ سے بچنے کے لیے اس طریقہ سے دور رہنا چاہیے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے کبھی بلا عذر ننگے سر نماز ادا فرمائی ہو، حتی کہ ہم نماز پڑھنے میں ننگا سر کر کے آپ ﷺ کی پیروی اور اقتداء کریں اور اس کے برعکس یہ بات گزر چکی ہے کہ عیسائیوں کی عادت ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں سر ننگے رکھتے ہیں بلکہ وہ ہر ایسے مقام پر جہاں احترام کے لیے کھڑے ہوں، برہنہ سر ہی کھڑے ہوتے ہیں۔

ایک باریک نکتہ

کشف رء وس (برہنہ سری) سے متعلق ایک عمدہ بات اور لطیفہ یہ ہے کہ جب ۱۲۸۰ھ میں روس نے نصف صدی تک جاری رہنے والی جنگ کے بعد قوقاسیا کی اسلامی ریاست پر قبضہ کر لیا تو روس کے حکام نے وہاں کے مسلمانوں پر یہ پابندی عائد کر دی کہ جس وقت کوئی مسلمان روسی حکام میں سے کسی حاکم کے پاس آئے تو ننگے سر آئے۔ ایک عالم ربانی جس کا قلب غیرت اسلامی سے سرشار تھا، اس نے خودداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس غیر اسلامی حکم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور گورنر جنرل سے کہا:

"آپ کا ہمارے ساتھ یہ معاہدہ ہوا ہے کہ تم ہمارے (مسلمانوں کے) دینی معاملات

اور دینی حمیت کا جذبہ مسلمانوں میں موجود اور موجزن ہوتا تھا، اس کے برخلاف وحدت ادیان کے داعیان کا شیوہ اور طریقہ یہ ہے کہ وہ کافر اور مسلم کو مساوی درجہ میں دیکھنا پسند کرتے ہیں اور وہ اس امر کے داعی ہیں کہ ان کے درمیان سے حواجز کو دور کر دیا جائے، مسلمانوں اور کافروں کے درمیان سے فرق کو مٹا دیا جائے اور درمیان کی لکیر لے کر ختم کر دی جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔

[مقالات الکوثری، صفحہ ۱۷۲ تا ۱۷۳، عربی، الشیخ الحافظ المحدث، الفقیہ، المؤرخ الثقہ الثبت محمد زاہد الکوثری برد اللہ مضجعہ، التوفی ۱۳۷۱ھ]

عالمی شہرت یافتہ پاکستانی عکاس (مصور) عظمت شیخ (متولد جلال پور جٹاں) اپنے دورۂ افغانستان کے سفرنامہ میں (جسے ملک احمد سرور نے تحریر کیا) راوی ہیں، اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کرتے ہیں:

"ننگے سر رہنا، کمیونسٹوں کی نشانی اور شعار"---

وزیر سرحدات وقبائل مولانا جلال الدین حقانی کے دفتر کی مسجد میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا، میرے پاس ٹوپی نہ تھی، لہٰذا ننگے سر نماز کی نیت باندھی، قریب کھڑے افغانی نے مجھے دیکھ کر تند و ترش جملے کہے۔ شام کو ہوٹل آ کر میں نے افغانی گائیڈ سے پوچھا، "نماز کے دوران میں اس افغانی نے میرے بارے میں کیا کہا تھا؟" اس نے بتایا کہ وہ کہہ رہا تھا "پانچ سال ہوئے کمیونسٹ کابل سے چلے گئے مگر ایک نمونہ یہاں چھوڑ گئے ہیں"۔

حقیقت یہ ہے کہ ڈاڑھی، پگڑی اور برقع افغانیوں کے تین شعار ہیں، جو اسلامی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں اور امارت اسلامی افغانستان میں ان کے بغیر مردوں اور عورتوں کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ [اردو ڈائجسٹ، شمارہ ۹، جلد ۴۱، ستمبر ۲۰۰۱ء، مدیر مسئول الطاف حسین قریشی]

ننگے سر نماز پڑھنے میں اہل حدیث موقف

اہل حدیث حضرات کے نزدیک ننگے سر نماز تو ہو جاتی ہے، خصوصاً جب یہ ضرورۃً بھی ہو، لیکن محض سستی ولا پرواہی کی بنا پر ننگے سر نماز پڑھنے کو فیشن ہی بنا لینا، اسے وہ بھی پسند نہیں کرتے، بلکہ تمام احناف کی طرح اس صورت کو وہ بھی غیر مستحسن یا مکروہ و ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک مختصر فتویٰ مجلہ اہل حدیث سوہدرہ (جو گوجرانوالہ، پاکستان کے ایک قریبی چھوٹے سے مگر معروف علمی گاؤں سوہدرہ سے شائع ہوتا تھا) اس کی جلد ۱۵، شمارہ ۲۲ میں شائع ہوا تھا، جس میں مفتی مجلہ نے لکھا تھا:

"ننگے سر نماز ہو جاتی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جواز ملتا ہے مگر بطور فیشن لا پرواہی اور

تعصب کی بنا پر مستقل اور ابدالآباد کے لیے یہ عادت بنا لینا جیسا کہ آج کل دھڑلے سے کیا جا رہا ہے، ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔ نبی پاک ﷺ نے خود یہ عمل نہیں کیا"---

مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی

اسی سلسلہ میں ممتاز اہل حدیث عالم مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی سے جب پوچھا گیا کہ بدن پر کپڑے ہوتے ہوئے سر پر ٹوپی یا پگڑی اتار کر رکھ دینی اور کوئی عذر بھی نہ ہو اور ہمیشہ اسی طرح ہی نماز پڑھنا اگر چہ فرض باجماعت مسجد میں ہو، اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح نبی ﷺ یا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثبوت ملتا ہے؟ اور ننگے سر نماز پڑھنی افضل ہے یا سر ڈھانک کر؟ اور ساتھ ہی دلائل کا مطالبہ کیا گیا تو موصوف نے ۲۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ کو جو فتویٰ صادر فرمایا جسے انہوں نے اپنے والد بزرگوار کی طرف منسوب کیا ہے۔ وہ لاہور سے شائع ہونے والے ہفت روزہ "الاعتصام" کی جلد ۱۱ کے شمارہ ۱۸ میں نشر ہوا۔ وہ فتویٰ قدرے طویل ہے، اس لیے اس کا حتی الامکان مفید خلاصہ پیش کیے دیتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں:

سر اعضائے ستر میں سے نہیں، لیکن نماز میں سر ننگا رکھنے کے مسئلہ کو اس لحاظ سے بلکہ آداب نماز کے لحاظ سے دیکھنا چاہیے اور آگے کندھوں کو ڈھانکنے پر دلالت کرنے والی بخاری و موطا امام مالک کی روایات اور موطا کی شرح زرقانی (و تمہید) ابن عبد البر، بخاری کی شرح فتح الباری، ایسے ہی شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب الاختیارات اور امام ابن قدامہ کی المغنی سے تصریحات و اقتباسات نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ کندھے بھی اگر چہ اعضائے ستر میں سے نہیں ہیں، اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے ایک کپڑا ہونے کی شکل میں ننگے کندھوں سے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح سر بھی اگر چہ اعضاءِ ستر میں سے نہ سہی لیکن آداب نماز میں سے یہ بھی ایک ادب ہے کہ بلا وجہ ننگے سر نماز نہ پڑھی جائے اور اسے ہی زینت کا تقاضا بھی قرار دیا ہے اور آگے لکھا ہے:

ابتدائے عہد اسلام کو چھوڑ کر جب کہ کپڑوں کی قلت تھی، اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گزری، جس میں بہ صراحت یہ مذکور ہو کہ نبی اکرم ﷺ نے یا صحابہ ﷺ نے مسجد میں اور وہ بھی نماز باجماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو، چہ جائے کہ معمول بنا لیا ہو۔ اس رسم کو جو پھیل رہی ہے، بند کرنا چاہیے۔ اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔ اگر تعبد اور خضوع اور خشوع و عاجزی کے خیال سے (ننگے سر) پڑھی جائے تو یہ نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہوگا۔ اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے تعبد یا خشوع و خضوع کی علامت نہیں اور اگر

کسل اور سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقین کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا۔

﴿وَ لَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اِلَّا وَ ھُمْ کُسَالٰی﴾---[التوبۃ:۵۴]

''نماز کو آتے ہیں سست اور کاہل ہو کر''---

غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔تو گویا موصوف کے نزدیک اگرچہ سر اعضائے ستر میں سے نہیں کہ اس کا ڈھانپنا واجب ہو، البتہ آداب نماز کا تقاضا یہ ہے کہ اسے ڈھانپا جائے اور ننگے سر نماز کو عادت بنالینا، نہ ثابت ہے، نہ پسندیدہ۔

موصوف کا فتویٰ تو پورا ہی قابل مطالعہ تھا، مگر ہم نے خلاصہ پر ہی کفایت کی ہے۔ شائقین اسے ''الاعتصام'' کے مذکورہ شمارے میں یا پھر فتاویٰ علماء حدیث کی جلد چہارم، صفحہ ۲۹۰-۲۹۰ پر دیکھ سکتے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی

ننگے سر نماز کے سلسلہ میں ہم نے اہل حدیث مؤقف کا تذکرہ شروع کیا ہے، جس کے ضمن میں ہم نے دو فتوے بھی ذکر کیے ہیں، جب کہ دوسرے فتویٰ والا استفتاء ہی ایک معروف اہل حدیث عالم شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی (آف گوجرانوالہ) کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا تھا، جس پر موصوف نے بڑا تفصیلی جواب یا فتویٰ صادر کیا تھا، جسے ہفت روزہ ''الاعتصام'' نے اپنی اسی اشاعت میں نشر کیا تھا، جس میں مولانا غزنوی والا، قدرے مفصل مگر اس سے نسبتاً مختصر فتویٰ نشر کیا تھا۔

مولانا محمد اسمٰعیل کا یہ فتویٰ بھی کافی مفصل و مدلل ہے، جو کہ درمیانے سائز کی کتاب فتاویٰ علمائے حدیث کے چار صفحات پر مشتمل ہے، جس میں پہلے موصوف نے لکھا ہے کہ اس سوال پر تین وجوہ سے غور کیا جاسکتا ہے:

۱ مطلق جواز اور اباحت کے لحاظ سے

۲ افضلیت یعنی آں حضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے عام عمل کے لحاظ سے

۳ حرمت اور عدم جواز کے لحاظ سے

اور پھر نماز میں ستر مغلظ (شرم گاہ) کو ڈھانپنے کے دلائل ذکر کیے ہیں اور ذکر کیا ہے کہ اعضاء ستر کو ویسے بھی ننگا رکھنا درست نہیں۔نماز میں تو قطعاً حرام و ناجائز ہوگا، یہ تو ہوا ستر مغلظ کے سلسلہ میں، جب کہ:

''سر چونکہ بالاتفاق اعضائے ستر میں سے نہیں، اس لیے اگر کسی وقت ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز بالاتفاق ہوگی۔اس کے لیے نہ بحث کی ضرورت ہے نہ

احادیث کی ٹٹول کی ضرورت، جس طرح کوئی پنڈلی، پیٹ، پشت وغیرہ، اعضاء ننگے ہوں تو نماز جائز ہے، سر ننگے بھی درست ہے، لیکن اسے عادت نہیں بنانا چاہیے"---

امام اگر نماز کے بعد پاؤں آسمان کی طرف کرے یا مقتدی کوئی ایسی حرکت کریں، حدیث میں اس سے رکاوٹ ثابت نہیں ہوگی، لیکن عقل مند ایسا کرنے سے پرہیز کرے گا۔ ننگے سر کی عادت بھی تقریباً اسی نوعیت کی ہے۔ جواز کے باوجود ایسی عادات عقل وفہم کے خلاف ہیں، عقل مند اور متدین آدمی کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ آں حضرت ﷺ، صحابہ کرام اور اہل علم کا طریق وہی ہے جو اب تک مساجد میں متوارث اور معمول بہا ہے۔ کوئی مرفوع حدیث صحیح میری نظر سے نہیں گزری، جس سے اس ننگے سر نماز کی عادت کا جواز ثابت ہو۔ خصوصاً با جماعت فرائض میں، بلکہ عادتِ مبارکہ یہی تھی کہ پورے لباس سے نماز ادا فرماتے تھے۔ امام بخاری کے باب **وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب و قول اللّٰہ تعالٰی "خذوا زینتکم عند کل مسجد، و من صلی ملتحفًا فی ثوب واحد...... الخ"** نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

امام بخاری کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ زینت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اعضاءِ ستر ڈھانپنے کے علاوہ اچھے کپڑوں میں نماز ادا کی جائے۔ عام ذہن کے لوگوں کو اس قسم کی احادیث سے غلطی لگی کہ ایک کپڑے میں نماز ادا کی جائے تو سر ننگا رہے گا، حالانکہ ایک کپڑے کو اگر پوری طرح لپیٹا جائے تو سر ڈھانپا جا سکتا ہے اور پھر صحیحین وسنن کی متعدد احادیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کسی میں ننگا سر رکھنے کا ذکر نہیں، خصوصاً جس میں عادت اور کثرت عمل ثابت ہو۔ پھر احادیث میں آں حضرت ﷺ کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صورت یا تو صرف اظہارِ جواز کے لیے ہے یا کپڑوں کی کم یابی کی وجہ سے ہے۔ ان حالات سے جواز یا اباحت تو ثابت ہو سکتی ہے، سنت یا استحباب ظاہر نہیں ہوتا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ والا اثر، جس میں مختلف کپڑوں کا ذکر آیا، اسے نقل کر کے لکھتے ہیں:

"اس سے کپڑوں کی قلت اور عدم استطاعت صراحۃً سمجھ میں آتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر پورے کپڑے میسر ہو سکیں اور کوئی مانع نہ ہو تو تکلف سے مسکنت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے"---

اور آگے فتح الباری سے ایک سے زیادہ کپڑوں میں نماز مستحسن ہونے اور صاحب استطاعت کے لیے اس کے واجب و افضل ہونے اور صرف ایک کپڑے میں نماز کو تنگ حالی پر محمول کرنے کا

پتا دینے والی تصریحات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

''غرض کسی حدیث سے بھی بلا عذر ننگے سر نماز کو عادت اختیار کرنا ثابت نہیں۔ محض بے عملی یا بدعملی کی وجہ سے یہ رواج بڑھ رہا ہے، بلکہ جہلاء تو اسے سنت سمجھنے لگے ہیں''---العیاذ باللہ

اور نماز کے لیے ایک کی بجائے دو کپڑے پہننے اور ان سے زینت اختیار کرنے والی بعض روایات وآثار کو نقل کرتے ہوئے انہیں مؤید تزئین وتجمل قرار دیا ہے۔عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں حافظ عینی نے مختلف مذاہب کے تذکرہ میں جو تفصیل بیان کی ہے، اس کا خلاصہ موصوف نے یہ ذکر کیا ہے:

''نماز ایک کپڑے میں درست ہے، لیکن جب وسعت ہو، کپڑے میسر ہوں تو پھر صرف ایک پر اختصار واکتفا مستحسن نہیں''---

ایسے ہی المغنی ابن قدامہ سے بعض آثار واقوال نقل کرنے کے بعد موصوف فرماتے ہیں:

''ان تمام گزارشات سے مقصد یہ ہے کہ سر ننگا رکھنے کی عادت اور بلا وجہ ایسا کرنا اچھا فعل نہیں۔یہ فعل فیشن کے طور پر روز بروز بڑھ رہا ہے اور یہ بھی نامناسب ہے''---

آگے چل کر اپنے اس جواب یا فتویٰ کے آخر میں مولانا محمد اسمٰعیل سلفی لکھتے ہیں:

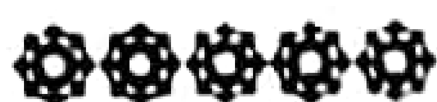
''ویسے یہ مسئلہ کتابوں سے زیادہ عقل وفراست سے متعلق ہے۔اگر حس لطیف سے طبیعت محروم نہ ہو تو ننگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ضرورت اور اضطرار کا باب اس سے الگ ہے''---

مولانا محمد داؤد غزنوی نے ۲۹رجمادی الاولی ۱۳۷۹ھ میں جو فتویٰ صادر فرمایا تھا، جسے انہوں نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں اپنے والد گرامی مولانا سیّد عبدالجبار غزنوی سے سنا تھا، جو اس وقت تحریر سے بھی دس سال پہلے کی بات ہوگی، اس میں انہوں نے کہا تھا:

''اگر تعبد اور خضوع اور خشوع وعاجزی کے خیال سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو یہ نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہوگا، اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے تعبد یا خضوع کی علامت نہیں''---

اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے اور عمل کی توفیق بخشے۔(آمین)

[ٹوپی وپگڑی سے یا ننگے سر نماز، صفحہ ۱۹ تا ۲۴]



عمامہ یا ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھیے!

مفتی عبداللہ

مردوں کا اپنے سر کو ڈھانپنا ایک قدیم تہذیب ہے اور سر ڈھانپنے کے لیے ٹوپی کا استعمال بھی قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے۔ گو ٹوپی کی کیفیات میں اختلاف ہوتا رہا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ الباری نے صحیح بخاری میں ایک باب قائم کیا ہے"باب لبس القمیص "[جلد۲، صفحہ۸۶۲]، اس کے ذیل میں علامہ ابنِ بطال مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"اس باب میں اس بات کا ثبوت ہے کہ قمیص پہننا اور پاجامہ نیز ٹوپی وغیرہ پہننا، جس کا ذکر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہوا ہے، یہ سب قدیم امور میں سے ہیں"۔---[شرح صحیح بخاری لابنِ بطال، جلد۹، صفحہ۸۳]

مردوں کا ٹوپی سے اپنا سر ڈھانپنا قدیم تہذیب ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب بھی ہے۔ چناں چہ ٹوپی حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام اور صالحین علیہم الرحمۃ والرضوان کے لباس کا حصہ ہے۔ حافظ ابن العربی مالکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی ٹوپی پہننا ثابت ہے"---

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کا ایک عمامہ تھا، جس کو ''سحاب'' کہا جاتا تھا، آپ ﷺ اس عمامہ کے نیچے سر پر مڑھی ہوئی ٹوپی پہنتے تھے''---

[المواهب اللدنية مع شرحه الزرقاني، جلد۵، صفحہ۹]

حضور رسول اکرم ﷺ کی ٹوپی کے بارے میں سب سے عمدہ سند والی روایات وہ ہیں جو حافظ ابو محمد بن حیان الملقب بابی الشیخ نے ''اخلاق النبی ﷺ'' میں ذکر کی ہیں، جس میں حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ بیان ہے:

''نبی کریم ﷺ سفر میں باڑ دار اونچی ٹوپی پہنتے تھے اور حضر میں کٹی ہوئی یعنی شامی''---[اخلاق النبی ﷺ، صفحہ۱۰۴]

سر ڈھانپنے کے لیے رسول اللہ ﷺ جس طرح ٹوپی استعمال فرماتے تھے، اسی طرح عمامہ بھی باندھتے تھے، چناں چہ آپ ﷺ اکثر ٹوپی پہن کر اس پر عمامہ باندھتے تھے نیز بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی بھی پہنتے تھے اور بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ استعمال فرماتے تھے۔ حافظ ابن القیم حنبلی فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عمامہ تھا، جسے ''سحاب'' کہا جاتا تھا، جو بعد میں آپ ﷺ نے حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو دے دیا تھا، آپ اس کو باندھتے تھے اور اس کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور کبھی رسول اللہ ﷺ بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی بھی پہنتے تھے اور کبھی بغیر ٹوپی کے صرف عمامہ زیبِ تن فرماتے تھے''---

[زاد المعاد، جلد۱، صفحہ۸۲]

رسول اللہ ﷺ سے سر برہنہ ہونا حالتِ اِحرام میں ثابت ہے اور سوائے اِحرام کے اَحیاناً آپ ﷺ برہنہ سر ہوئے ہیں، ورنہ آپ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ آپ ﷺ کے سر مبارک پر عمامہ یا ٹوپی بھی رہتی تھی۔

محدث سید محمد بن جعفر کتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''الدعامة'' میں ان احادیث کو جمع فرمایا ہے، جو آپ ﷺ کے عمامہ کے ساتھ ٹوپی پہننے اور بغیر عمامہ کے ٹوپی پہننے پر دلالت کرتی ہیں۔ آپ ﷺ کے اس اہتمام کی وجہ سے حافظ ابن العربی نے توعارضة الاحوذی، جلد۷، صفحہ۲۴۲ میں ٹوپی پہننے کو از قبیلِ سنت قرار دیا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی رسول اللہ ﷺ کے عادات واَطوار اور آپ ﷺ کے طرزِ عمل کا

اتباع کرتے ہوئے عام حالات میں برہنہ سر نہیں رہتے تھے، بلکہ ٹوپی یا عمامہ سے اپنے سروں کو ڈھانکتے تھے۔ جامع ترمذی میں حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"شہداء چار قسم پر ہیں، ایک وہ مؤمن آدمی ہے جس کا ایمان عمدہ ہو اور دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی تصدیق کرتے ہوئے لڑے اور شہید ہو جائے، اس آدمی (کے بلند درجات) کا حال یہ ہے کہ لوگ قیامت کے دن اس کی طرف نگاہ اس طرح اٹھائیں گے............ یہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ نے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا سر اٹھایا، یہاں تک کہ آپ کی ٹوپی گر گئی۔

راوی کہتے ہیں کہ مجھے پتہ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ٹوپی مراد ہے یا نبی کریم ﷺ کی ٹوپی"---[جامع ترمذی، جلد ا، صفحہ ۲۹۳، ۲۹۴]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے یا حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سر پر ٹوپی تھی۔

صحیح بخاری میں ہے:

"ابن سلمان تیمی (معتمر) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ پر ریشم اور اون کی بنی ہوئی زرد رنگ کی مخصوص ٹوپی (جو لباس کا حصہ ہی تھی) دیکھی"---[صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۸۶۳]

شارح صحیح بخاری، علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"بالیقین حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے "برنس" ٹوپی (جو لباس کا ہی حصہ ہوتی ہے) پہنی ہے، جن میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم ہیں اور تابعین کی ایک جماعت نے بھی یہ مخصوص ٹوپی پہنی ہے، جن میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ ہیں"---

رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں "برنس" ٹوپی کا استعمال تھا، جس کو حالتِ اِحرام میں پہننے سے منع کیا گیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مُحرِم آدمی قمیص، عمامہ، پاجامہ اور برنس نہیں پہنے گا"---

[بخاری، جلد ا صفحہ ۲۰۹/ جلد ۲، صفحہ ۸۶۴]

ٹوپی کی طرح عمامہ کا استعمال بھی حضرات صحابہ کرام ﷡ میں رہا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عتیق اور حضرت عبید اللہ بن عدی بن خیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے ہر ایک کے عمامے کا ذکر صحیح بخاری میں اور حضرت انس بن مالک، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت ابوالدرداء ﷡ کے عمامے کا ذکر مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ کتبِ احادیث میں ملتا ہے۔ حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت عبد اللہ بن خازم وغیرہ صحابہ کرام ﷡ کے عمامے زیبِ تن فرمانے اور شملہ چھوڑنے کی کیفیت تک کا بیان حدیث کی کتابوں میں ہوا ہے۔

تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں بھی عام حالات میں عمامہ یا ٹوپی سے سر ڈھانکنے کا معمول تھا۔ چناں چہ حضرت ابواسحٰق سبیعی تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ٹوپی کا ذکر صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۱۵۹ میں ابن بطال مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ عمامہ باندھنا، گوٹ لگانا اور جوتے پہننا عرب کے عمل میں سے ہے، یہ عجم میں نہیں تھا اور عمامہ باندھنا ابتداءِ اسلام میں تھا، پھر یہ مسلسل رہا، تا آں کہ ابنا ءِ زمانہ بھی اسی پر قائم ہیں''---

ابن وہب فرماتے ہیں:

''مجھ سے امام مالک نے بیان کیا کہ انھوں نے اربابِ فضل، یحییٰ بن سعید، ربیعہ اور ابن ہرمز رحمہم اللہ تعالیٰ میں ایک کو عمامہ باندھتے ہوئے پایا اور میں ربیعہ کی مجلس میں تھا اور اکتیس شرکاءِ مجلس تھے، ان میں سے ہر ایک عمامہ باندھے ہوئے تھا اور میں بھی ان میں سے تھا''---[شرح صحیح بخاری لابن بطال، جلد ۹، صفحہ ۸۹]

سطورِ بالا سے مسئلہ کا ایک پہلو اور تصویر کا ایک رخ سامنے آگیا کہ مردوں کا عام حالت میں اپنے سر کو ٹوپی یا عمامہ سے ڈھانکنے کا رواج قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا عام معمول بھی یہی تھا، خیر القرون میں بھی اس کا معمول رہا ہے اور سلف سے خلف تک یہ معمول برابر جاری ہے، اسی لیے بعض حضرات لوگوں کے سامنے مردوں کے برہنہ سر ہونے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ ''غنیۃ الطالبین'' میں ہے:

''کراہت کے قول میں کلام ہو تو ہو، لیکن اس کے خلاف مروّت ہونے میں دو رائے نہیں ہیں''---

ابن جوزی کی "تلبیسِ ابلیس" میں ہے:

"کسی عقل مند پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ برہنہ سر رہنا انتہائی قبیح ہے اور یہ خلافِ مروّت اور بے ادبی ہے"---[تلبیس ابلیس، صفحہ ۳۷۴]

مسئلہ کا دوسرا پہلو اور تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ نماز کی حقیقت بارگاہِ خداوندی میں حاضری ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ پورے ادب واحترام کے ساتھ حاضر ہو اور من جملہ آداب واحترام کے ٹوپی اور عمامہ سے یا دونوں میں سے کسی ایک سے سر ڈھانپنا ہے۔

دیکھیے! لباس کی دو حدیں ہیں:

① واجب ② مستحب

قرآنِ مجید نے سورۃ الاعراف، آیت نمبر ۲۶ میں لباس کو انھیں دو حدوں میں تقسیم کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِیْشًا﴾---

"اے اولادِ آدم! ہم نے تمھارے لیے وہ پوشاک اتاری ہے، جو تمھاری ستر کو چھپاتی ہے اور آرائش کے کپڑے اتارے ہیں"---

پھر آیت نمبر ۳۱ میں ارشاد ہے:

﴿یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾---

"اے ابن آدم! ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو"---

ان آیات سے معلوم ہوا:

- ایک حد تو وہ ہے، جس کا ڈھانکنا واجب وفرض ہے اور وہ قابلِ شرم اعضاء اور ان کے ملحقات ہیں۔
- دوسری حد آرائش کا لباس ہے، یہ بھی نماز میں مطلوب ہے۔

ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"ظاہر یہ ہے کہ "زینت" ہر وہ لباس ہے، جس سے نماز کے وقت تجمل وتزین حاصل ہو اور "زینت" میں وہ کپڑا داخل نہیں ہے، جو ستر کو چھپانے والا ہو، اس لیے کہ وہ تو مطلقاً مامور بہ ہے"---[البحر المحیط، جلد ۴، صفحہ ۲۹۲]

اور آرائش کے لباس کی حد صرف بدھوں تک نہیں ہے، یہ تو ایک درمیانی صورت ہے،

کامل آرائش یہ ہے کہ سر اور ٹخنوں کے اوپر تک جو بھی آرائش اور زینت کا لباس ہے، اس کو پہن کر نماز پڑھی جائے۔ اس اعتبار سے عمامہ اور ٹوپی سے یا ان میں سے کسی ایک سے سر ڈھانکنا آرائش کے قبیل سے ہے، لہٰذا سر ڈھانپ کر نماز پڑھنی چاہیے۔

نماز کے وقت زینت اختیار کرنے کے حکم قرآنی اور ارشاد نبوی:

اِنَّ اللّٰهَ ﷻ اَحَقُّ مِنْ اَنْ تَزَیَّنَ لَهٗ---

"اللہ ﷻ زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس کے لیے زینت و آرائش اختیار کریں"---

کے پیش نظر حضرات فقہاءِ کرام علیہم الرحمہ نے نماز میں قمیص و تہ بند یا قمیص و پاجامہ وغیرہ کے ساتھ ساتھ عمامہ یا ٹوپی سے سر ڈھانکنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ "الفقه الاسلامی" میں ہے:

"مردوں کو دو کپڑوں میں نماز پڑھنا مستحب ہے، جیسے سر ڈھانپنا مستحب ہے"---[الفقه الاسلامی و ادلته، جلد۲، صفحہ۹۸۲]

"البحر الرائق" میں ہے:

"مستحب یہ ہے کہ مرد تین کپڑوں میں نماز پڑھے، قمیص ازار اور عمامہ میں"---[البحر الرائق، جلد۱، صفحہ۲۶۹]

سستی کی وجہ سے یا غیر اہم معاملہ خیال کر کے کھلے سر نماز پڑھنے کو حضرات فقہاء علیہم الرحمہ نے مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے۔ "الفقه الاسلامی" کی "مکروہاتِ صلوٰۃ" کی بحث میں ہے:

"اور سستی کی وجہ سے کھلے سر نماز پڑھنا (مکروہ ہے) اور یہاں کراہت بالاتفاق تنزیہی ہے"---[الفقه الاسلامی و ادلته، جلد۲، صفحہ۹۸۲]

"شرح منیة المصلی" میں ہے:

"اور سستی کی وجہ سے کھلے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے، بایں طور کہ نماز میں سر ڈھانپنے کو بوجھ سمجھ کر اور اس کو غیر اہم معاملہ خیال کر کے چھوڑ دے، جب تذلل اور فروتنی کے لیے کھلے سر نماز پڑھے تو مضائقہ نہیں ہے۔ ماتن کا قول "لا باس" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اس غرض سے کھلے سر نماز نہ پڑھے اور تذلل اور فروتنی قلب سے اختیار کرے، اس لیے کہ یہ قلب کے افعال میں سے ہیں"---[شرح منیة المصلی، صفحہ۳۴۸]

مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں:

"چوں کہ نماز میں صرف ستر پوشی ہی مطلوب نہیں، بلکہ لباسِ زینت اختیار

کرنے کا ارشاد ہے، اس لیے مرد کا ننگے سر نماز پڑھنے یا مونڈھے یا کہنیاں کھول کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح ایسے لباس میں بھی مکروہ ہے، جس کو پہن کر آدمی اپنے دوستوں اور عوام کے سامنے جانا قابلِ شرم و عار سمجھے، جیسے صرف بنیان بغیر کرتے کے، اگر چہ پوری آستین بھی ہو یا سر پر بجائے ٹوپی کے کوئی کپڑا یا چھوٹا دستی رومال باندھ لینا کہ کوئی سمجھ دار آدمی اپنے دوستوں یا دوسروں کے سامنے اس ہیئت میں جانا پسند نہیں کرتا، تو اللہ رب العالمین کے دربار میں کیسے پسندیدہ ہوسکتا ہے؟ سر، مونڈھے، کہنیاں کھول کر نماز کا مکروہ ہونا آیتِ قرآنی کے لفظ "زینت" سے بھی مستفاد ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تصریحات سے بھی" ---[معارف القرآن، جلد۳، صفحہ۴۴]

الغرض عام حالات میں ننگے سر نماز پڑھنا، نماز کے وقت تزین و آرائش اختیار کرنے کے حکمِ قرآنی کے خلاف ہے۔ نیز ارشادِ نبوی ﷺ:

اِنَّ اللّٰہَ ﷻ اَحَقُّ مِنْ اَنْ تَزَیَّنَ لَہٗ' ---

"اللہ ﷻ زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس کے لیے زینت و آرائش اختیار کریں" ---

کے بھی خلاف ہے اور سنتِ متوارثہ اور صدیوں کے عمل متوارث کے بھی خلاف ہے۔ اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ اب تو مسلمانوں میں بھی کھلے سر رہنا ہی عام رواج ہے، تو جاننا چاہیے کہ یہ ایک فیشن ہے، اس کا اعتبار نہیں، اعتبار اسلامی تہذیب کا ہے۔ چناں چہ خیر القرون سے سر ڈھانپنے کا جو معمول چلا تھا کہ رسول اللہ ﷺ، حضرات صحابہ کرام ؓ، تابعین، تبع تابعین، سلف صالحین، مشائخ و محدثین اور ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ عام حالات میں عمامہ اور ٹوپی سے سر ڈھانکتے تھے۔ ان کی یہ عادت نہ تھی کہ کھلے سر پھریں یا کھلے سر نماز پڑھیں۔ یہ معمول آج تک دین دار، سمجھ دار طبقہ میں برقرار ہے۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ حج میں تو مرد کو برہنہ سر رہنا پڑتا ہے، جب اس عبادت میں کھلے سر رہنا مطلوب ہے، تو عام حالات میں نماز بھی کھلے سر ہی ادا کرنا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حج چوں کہ مخصوص مکان میں، مخصوص وقت میں ادا کی جانے والی مخصوص عبادت ہے، لہٰذا برہنہ سر ہونے میں اس پر نماز جیسی عبادت کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

کھلے سر نماز پڑھنے میں ایک قباحت یہ بھی ہے کہ اس سے نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہے۔ وہ اپنی عبادات میں اور احترام کے ہر موقع پر سر کھلا رکھتے ہیں۔ اگر پہلے سے ٹوپی پہنی بھی ہو تو وہ لوگ ایسے مواقع میں اسے اتار دیتے ہیں۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ کھلے سر نماز پڑھنا سنت یا

مستحب ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا ٹوپی یا عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ ان حضرات کا یہ خیال صحیح نہیں۔ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۳۱ سے نماز میں تزین مطلوب ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عمامہ باندھنا ثابت ہے اور ٹوپی کا تذکرہ بھی آیا ہے۔ پھر عام حالت میں تو آپ ﷺ زینت کے لیے یہ لباس زیبِ تن فرماتے ہوں اور جب نماز کا وقت آتا ہو تو ان کو اتار کر نماز پڑھتے ہوں!!!

یہ محض من گھڑت بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے قطعاً یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے کپڑا ہوتے ہوئے بلا کسی عذر کے کبھی ننگے سر نماز پڑھی ہو یا آپ ﷺ نے ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم دیا ہو۔ و من ادعی فعلیه البیان

آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمامے اور ٹوپیوں کے ساتھ نماز پڑھنا خود صحیح بخاری سے ثابت ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"قوم عمامے اور ٹوپی پر سجدہ کرتی تھی"۔۔۔[صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۵۶]

مذکورہ اثر میں "قوم" سے مراد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "فتح الباری، جلد ۱، صفحہ ۵۸۸" میں نقل فرمایا ہے۔

رہی وہ روایت جو امام جلال الدین سیوطی اور حافظ ابن العساکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما وغیرہ نے ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھار اپنی ٹوپی اتار کر اپنے سامنے سترہ بنا لیتے تھے اور اس حال میں آپ ﷺ نماز ادا فرماتے تھے، سو اس روایت میں کلام ہے۔ برتقدیرِ صحت سترہ کی ضرورت و عذر پر محمول ہے، لہٰذا اس سے یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ بلا عذر بھی سر کھولے ہوئے نماز پڑھنا سنت یا مستحب ہے۔

بعض حضرات کہا کرتے ہیں کہ بغیر ٹوپی کے بھی نماز تو ہو جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یوں تو بغیر قمیص کے نماز پڑھنے والے کی نماز بھی ہو جاتی ہے، یعنی فریضہ ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے، لیکن اس طرح نماز ہو جانے کا یہ مطلب تو نہیں کہ انسان بلا کسی عذر کے مستحب امر کو ترک کرے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ ٹوپی یا عمامہ کو عام معمول بنا لے، ورنہ کم از کم نماز کے دوران ٹوپی یا عمامہ کا اہتمام کرے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

[بشکریہ ماہنامہ شمس الاسلام]

